باب پنجم

وسائط شرعیہ

فصل اَوّل: عالمِ اَمر سے عالمِ حشر تک خالق و مخلوق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ

فصل دوم: واسطۂ رسالت ﷺ کی دینی اَہمیت

فصل سوم: وسائط کی اقسام

www.MinhajBooks.com

عصرِ حاضر میں مذہبی عقائد کے باب میں جہاں کئی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں وہاں واسطہ کے تصور پر بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں دانستہ پیدا کی گئی ہیں۔ مغرب میں بالخصوص اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں بالعموم توحید اور شرک مسلمانوں کے ہاں مناظروں کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ ان کا زیادہ تر اہتمام وہ لوگ کرتے ہیں جن کا علم سطحی نوعیت کا ہے اور وہ شرعی اُمور کو گہرائی سے دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ وہ محض رائے زنی سے غلط عقیدہ گھڑ لیتے ہیں۔ ایک خاص مکتبہ فکر کے علماء نے اپنی کتابوں میں اس خودساختہ غلط نظریے کا قرآنی آیات کی غلط تشریح پر مبنی یہ تصور دیا ہے کہ شریعت میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہماری دعائیں، التجائیں اور مناجات سنتا ہے، وہ کسی واسطے کا محتاج نہیں، پس جہاں واسطہ اور توسُّل کا ذکر آ جائے وہ اسے توحید کے منافی سمجھنے لگتے ہیں اور فی الفور شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ آیات کی مَن مانی تاویل کر کے واسطہ کا یہ معنی مراد لیتے ہیں جیسے کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حائل کر دیا گیا ہو، حالانکہ یہ تصوّر جہالت یا کم علمی کی پیداوار ہے اور اسے وہی پیش کر سکتا ہے جسے حقیقتِ توحید اور حقیقتِ شرک کا صحیح ادراک نہ ہو۔ اس باب میں قرآن حکیم سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سرِفہرست یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○ (۱)

’’(لوگوں سے کہہ دیں:) سُن لو! طاعت و بندگی خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہے،

(۱) الزمر، ۳۹: ۳

اور جن (کفّار) نے اللہ کے سوا (بتوں کو) دوست بنا رکھا ہے، وہ (اپنی بُت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے ہیں کہ) ہم اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرّب بنا دیں، بیشک اللہ اُن کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو جھوٹا ہے، بڑا ناشکرگزار ہے ○"

کفار ومشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اصنام اَرْبَابٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہیں۔ وہ اپنی بت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔ چونکہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہوئے شرک فی الالوھیت کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کے اس عمل کو شرک قرار دیا گیا۔

ہمارے نزدیک صحیح عقیدہ یہی ہے کہ کفار ومشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے کسی کی عبادت کرنا واسطۂ شرکیہ ہے۔ تاہم قرآنِ حکیم کی اس آیت پر مسلمانوں کے جائز شرعی واسطہ اور وسیلہ کو قیاس کرنا باطل ہے۔ انبیاء و اولیاء کا واسطہ اختیار کرنے والے ہرگز شرک کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق انعام یافتہ بندوں کی معیّت اختیار کرتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مشرکین اور مسلمانوں کے عمل میں بعدالمشرقین ہے۔ ان کا آپس میں کوئی بھی جوڑ نہیں۔ کیونکہ انبیاء واولیاء کا وسیلہ اور واسطہ اختیار کرنے والے ان کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی، شریک اور کسی بھی درجہ میں ان کی عبادت اور اُلوہیت کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کو اِلٰہ بھی مانتے ہیں اور معبود بھی۔

معترضین اپنے مؤقف کی تائید میں قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ○(۱)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں○''

پس ان لوگوں کے مطابق جب وہ ذات اس قدر قریب ہے تو پھر اس تک رسائی کے لئے کوئی واسطہ ہے نہ واسطے کی ضرورت، لہٰذا جو شخص واسطہ مقرر کرتا ہے وہ صریحاً شرک کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ﷻ اپنی شان کے مطابق ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط (البقرہ، ۲:۱۱۵) اسی کی شان ہے ۔ اس صفتِ مطلقہ میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ قادرِ مطلق ہے۔انسان جو کچھ جس وقت بھی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی انسان اگر بارگاہِ الٰہی کا تقرّب حاصل کرنا چاہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن مجید میں موجود ہے خود باری تعالیٰ نے وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا تفصیلی بیان باب دوم میں عقیدۂ توحید اور توسل کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ کا مطلقاً انکار ایک انتہائی موقف ہے۔جو سراسر غلط، خلافِ شریعت اور خلافِ توحید رجحان کا غماز ہے۔ ثانیاً ایسی ہٹ دھرمی اور شدت عموماً جہالت اور کساوت کی پیداوار ہوتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ واسطہ محض ایک تعلق اور رابطہ ہوتا ہے۔اس تعلق اور واسطے کو ماننا جس طرح شرک نہیں اسی طرح اس کی افادیت اور مؤثریت کا سرے سے انکار کر دینا توحید بھی نہیں۔

۱۔ واسطہ کا لغوی معنی ومفہوم

واسِطة وَسَطَ سے مشتق ہے جس کا معنی اہلِ لغت نے یوں لکھا ہے:

وَسَطَ الشيء: مَا بَيْنَ طَرَفَيْهِ.(۲)

(۱) ق، ۵۰:۱۶

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۴۲۶

''کسی چیز کے وسط سے مراد دو کناروں کا درمیانی حصہ ہے۔''

پس واسطہ کا معنی ہوا ایسی چیز جو بیچ میں ہو اور اس کا دو الگ چیزوں سے رابطہ ہو۔

اصل میں واسطہ اس اعلیٰ جوہر کو بھی کہا جاتا ہے جو ہار کے درمیان میں ہوتا ہے۔ صحاح میں ہے:

وواسطة القلادة: الجوهر الذی فی وسطها وهو أجودها. (۱)

''ہار میں وسط سے مراد وہ جوہر ہے جو اس کے درمیان میں ہو اور اس کا عمدہ ترین حصہ ہو۔''

ثالثی کو بھی الوَسَاطَةُ اور اَلْوَسِیْطُ کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی متنازع فریقین کے درمیان تصفیہ کرکے ان کا آپس میں رابطہ کرواتا ہے۔

اسی طرح الوَاسِطُ کا معنی دروازہ بھی ہے۔ دروازہ بھی کسی عمارت یا کمرہ کے اندر اور باہر رابطہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بھی واسطہ ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ بِوَاسِطَةِ الشَّئی بذریعہ فلاں چیز یا بِوَاسِطَةِ فُلَانٍ ''بتوسط فلاں شخص''

یعنی واسطہ میں سبب اور ذریعہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وَهُوَ وَاسِطة لكذا ای علّة. (۲)

''وہ کسی کام کا واسطہ ہے یعنی اس کا ذریعہ اور سبب ہے۔''

اسی طرح وَبِوَاسِطَةِ کذا کا معنی ہے ای بعلّة کذا. (۳)

''کسی کام کے واسطہ سے مراد اس کام کا ذریعہ اور سبب بننا ہے۔''

---

(۱) ۱۔ جوہری، الصحاح، ۲: ۶۸۷

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۷: ۴۲۹

(۲) بطرس بستانی، محیط المحیط، ۹۶۸

(۳) بطرس بستانی، محیط المحیط، ۹۶۸

اس لغوی وضاحت سے معلوم ہوا کہ واسطہ درحقیقت دو چیزوں کے درمیان رابطے اور تعلق کا نام ہے یعنی واسطہ دو علیٰحدہ ذاتوں کو ملانے اور جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ یہ ذریعہ دو بندوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، بندے اور خالق کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، اللہ ﷻ اور نبی کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور نبی اور امتی کے درمیان بھی۔ شرعی اِصطلاح میں اس درمیانی ذریعہ اور واسطہ کو وسیلہ، توسُّل اور توسُّط بھی کہا جاتا ہے۔ یہی توسُّل اور توسُّط کسی کے قُرب کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ واسطہ کا حقیقی تصور اور اُس کی اَہمیت

مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق، واسطے اور رابطے پر مبنی ہے، اس رابطے اور واسطے کی نفی توحید کی نفی ہے۔ اس واسطے کو قرآن کی زبان میں نبوت و رسالت کہا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے وحی کا انکار کیا اور رسالت کے منکر ہوگئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے منکر کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال یوں دی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ج وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ط قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○ (۱)

’’اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ فرما دیجئے: وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی؟ تم نے جس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے ہیں تم اسے (لوگوں پر) ظاہر (بھی) کرتے

(۱) الانعام، ۶: ۹۱

ہو اور (اس میں سے) بہت کچھ چھپاتے (بھی) ہو اور تمہیں وہ (کچھ) سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ فرما دیجئے: (یہ سب) اللہ (ہی کا کرم ہے) پھر آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں کہ وہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں ○''

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ چاہے تو وحی کو لوگوں کے دلوں میں براہِ راست القاء کرسکتا ہے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اور بندوں کے درمیان انبیاء و رسل علیہم السلام کو واسطہ بنایا اور ان انبیاء و رسل پر بھی عموماً فرشتوں کے واسطے سے وحی نازل فرمائی۔ اس لئے ایسے غلط عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے اور ایسی نام نہاد توحید پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے جس میں انسان ان شرعی واسطوں کا بھی منکر ہوجائے جو جزوِ ایمان ہیں۔ واسطۂ نبوت و رسالت کا انکار ہو یا واسطۂ وحی کا انکار۔ یہ توحید کا بھی انکار ہے، رسالت کا بھی انکار ہے اور ایمان سے محرومی کی علامت بھی۔

۳۔ واسطہ کی شرعی حیثیت

ایک بندۂ مومن کا مقصودِ حیات، اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور اسکی رضاء و خوشنودی کا حصول ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جا بجا متلاشیانِ حق کو اپنے حضور تک تقرب اور رسائی کا وسیلہ تلاش کرنے کے بارے رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ توسُّل اور توسُّط کا حکم فرمایا ہے۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ ○''

(۱) المائدہ، ۵: ۳۵

اس آیتِ کریمہ میں چار چیزوں کا بیان ہے:

۱۔ ایمان

۲۔ تقویٰ

۳۔ حصولِ توسُّل وتوسُّط

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ

سب سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا اور ایمان کے بعد تقویٰ کا حکم دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو بنیادی اور اساسی خصوصیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے واسطہ اور وسیلہ تلاش کرنے کا حکم کیوں فرمایا: حالانکہ إِتَّقُوا اللهَ کے الفاظ بندۂ مؤمن کے تمام اعمالِ صالحہ کو محیط ہیں۔ اس کے باوجود تیسرا حکم آیتِ مذکورہ میں تلاشِ وسیلہ کا ہے۔ ارشاد فرمایا: وَابْتَغُوْٓا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو)۔''

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ میں تلاشِ وسیلہ سے فقط ایمان اور اعمالِ صالحہ مراد لیا ہے۔ جبکہ اکثر علماء نے آیتِ کریمہ کے ان الفاظ سے مراد انبیاء، صلحاء اور اولیاء کی ذواتِ مقدّسہ کو لیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ إِتَّقُو اللهَ میں ایمان، اعمالِ صالحہ اور عبادات سب شامل ہیں۔ قُرب وحضورِ الٰہی کا وسیلہ، جہاں اعمالِ صالحہ اور ایمان بنتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء بطریقِ اُولیٰ وسیلہ ہیں۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے القول الجمیل 'میں وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد جبکہ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے 'صراطِ مستقیم' میں وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

بدون مرشد راہ یابی نادر است۔[1]

''مرشد کی راہنمائی کے بغیر (ہدایت ربانی) کا ملنا شاذ و نادر ہے۔''

چوتھا حکم جہاد کا ہے۔ جہاد بھی اسلام کی اشاعت و ترویج، دین کے احیاء و اقامت، احکامِ الٰہیہ کے نفاذ اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے وسیلہ بنتا ہے۔ جب ایک ہی آیتِ

(۱) ۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، القول الجمیل: ۳۴

۲۔ شاہ اسمعیل دہلوی، صراطِ مستقیم: ۵۸

کریمہ میں مذکور چار چیزوں ......ایمان، تقویٰ ، وسیلہ اور جہاد ......میں سے تین چیزیں ......ایمان، تقویٰ، جہاد......شرک اور بدعت نہیں بلکہ جائز امور ہیں تو وسیلہ بھی آیت میں بیان کردہ دیگر چیزوں کی طرح حکمِ قرآنی اور امرِشرعی ہے اس کا تعلق بھی ہرگز شرک اور بدعت سے نہیں بلکہ یہ حکمِ الٰہی ہے۔قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر تلاشِ وسیلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

۲. أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ إِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ أَیُّهُمْ أَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط إِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا o(۱)

’’یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہم کے بت اور تصویریں بنا کر اُنہیں پوجتے ہیں)، وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے (بارگاہِ الٰہی میں) زیادہ مقرب کون ہے اور (وہ خود) اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور (وہ خود ہی) اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (اب تم ہی بتاؤ کہ وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں ، وہ تو خود معبودِ برحق کے سامنے جھک رہے ہیں۔) بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے رسالت کو خود واسطہ بنایا

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی بات ہر شخص سے براہِ راست نہیں کہی حالانکہ ایسا کرنا اس کی قدرتِ مطلقہ کے لیے ناممکن نہیں تھا۔ وہ چاہتا تو براہِ راست ہر شخص کے دل میں اپنی وحدانیت کی بات القا کر دیتا۔ وہ ہر شخص کی فطرت (nature) میں یہ عقیدہ ودیعت (inherent) کر دیتا کہ وہ خلقی طور پر (by birth) جوں جوں جوان ہوتا، اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا اور اس پر اس کا اعتماد قائم ہوتا چلا جاتا اس طرح یہ علم ہر انسان کو

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۵۷

بلاواسطہ (Directly) بھی عطا ہوسکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں۔ اس نے کسی کو یہ علم بلاواسطہ نہیں دیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ وہ کسی فرد بشر سے براہِ راست خطاب فرمائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○[۱]

''اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہو گا)، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔''

اس مقام پر قابلِ فہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دستور اور قاعدے کا اعلان کیا کہ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی انسان سے بغیر وحی کے کلام کرے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت تھی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ قدرت کے باوجود ایسا نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی طاقت اور اختیار میں سب کچھ ہے مگر اس کے اپنے ارشاد کے مطابق وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○[۲]

''بیشک آپ کا رب جو ارادہ فرماتا ہے کرگزرتا ہے۔''

یہ بھی اس کی شان ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○[۳]

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۵۱

(۲) ھود، ۱۱: ۱۰۷

(۳) البقرہ، ۲: ۲۰

’’بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

وہ کسی عام فردِ بشر سے ہمکلام نہیں ہوا، اس لیے نہیں کہ ایسا کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا بلکہ اس لئے کہ کسی فردِ بشر کو یہ مجال، طاقت اور صلاحیت (capability) حاصل نہیں ہے کہ وہ بلاواسطہ اس سے کلام کر سکے۔ اللہ ﷻ نے بندوں سے کلام کرنے کا صرف ایک ہی واسطہ اختیار فرمایا ہے جو کہ وحی ہے اور وحی جس پر بھیجی جاتی ہے وہ نبی ہوتا ہے۔ اِس تفصیل کی روشنی میں اِرشادِ الٰہی کا معنی یہ ہوا کہ کسی بشر میں یہ ہمت نہیں کہ وہ بغیر واسطۂ نبوت کے اللہ ﷻ اس سے ہم کلام ہو۔ اس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست بشر سے گفتگو کے امکان کو رد فرمایا اور معاً بعد وحی کے تین طریقے بیان فرما دیئے جن کے توسط سے اللہ ﷻ نے انبیاء و رسل علیہم السلام سے گفتگو فرمائی اور یہی تین طریقے وحی کے معروف طریقے ہیں۔

(۱) وہ براہِ راست کلام فرمائے

(۲) حجاب کے پیچھے سے کلام فرمائے

(۳) اپنا رسول یعنی فرشتہ بھیج کر جس کو اس کا اذن ہو اس سے کلام فرمائے۔

اللہ ﷻ اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کیلئے ان تین صورتوں میں سے جو صورت چاہے اختیار فرمائے لیکن چوتھا کوئی براہِ راست یا بالواسطہ طریقہ نہیں جس کے ذریعے اُس نے اپنے بندوں سے کلام فرمایا ہو۔ الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ الٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہے۔

۵۔ واسطۂ رسالت سے متعلق ائمہ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ اپنا حکم اپنے بندوں تک پہنچانے کیلئے واسطۂ رسالت بروئے کار لاتا ہے مگر وہ اس کا محتاج نہیں۔ وہ اس مقصد کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو منتخب کر کے اپنی وحی کے لئے مقرر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ نبی اور رسول کہلاتا ہے۔ گویا ’’رسالت‘‘ ہے ہی اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے

درمیان واسطہ جسے مرسِل (اللہ تعالیٰ) مرسَل الیہ (مخلوق) کی طرف بھیجتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ واسطۂ رسالت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وبالجملة فينبغي للعاقل أن يعلم أن قيام دين الله في الأرض إنما هو بواسطة المرسلين صلوٰة الله وسلامه عليهم أجمعين، فلولا الرسل لما عُبِد اللهَ وَحْدَه لا شريک له ولما عَلِم الناس أکثر ما يستحقه سبحانه من الأسماء الحسنٰی والصفات العلی، ولا کانت له شريعة في الأرض. (۱)

''خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک صاحب عقل و خرد شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے دین کا قیام صرف رسولوں کے واسطہ ہی سے ہے۔ اگر رسول نہ آتے تو اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت نہ کی جاتی اور نہ ہی لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی اور صفاتِ علیا کیا ہیں جن کا وہ مستحق ہے اور نہ ہی اس کی شریعت زمین پر قائم ہوتی۔''

علامہ ابن قیمؒ جوزیہ، علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ آپ ایک عظیم حنبلی فقیہ ہیں۔ آپ اپنی کتاب طريق الهجرتين و باب السعادتين میں انبیاء کو واسطہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ويکفي في فضلهم (أي: الأنبياء) وشرفهم أن الله سبحانه وتعالی اختصهم بوحيه، وجعلهم أمناء علی رسالته، وواسطة بينه وبين عباده. (۲)

''انبیاء علیہم السلام کے فضل اور شرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ ﷻ نے انہیں اپنی وحی کے ساتھ مختص کیا ہے، اور اپنی رسالت کے ساتھ اَمین بنایا ہے،

(۱) ابن تيمة، الصارم المسلول، ۲۴۹

(۲) ابن قيم، طريق الهجرتين وباب السعادتين، ۱:۵۱۵

اور اِنہیں اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے‘‘

عمدۃ المفسرین علامہ احمد صاوی مالکی علیہ الرحمۃ ہر اُمت کے لیے انبیا کو اور تمام انبیا کے لئے حضور ﷺ کو واسطہ قرار دیتے ہوئے تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں:

فَالْأَنْبِيَاءُ وَسَائِط لأُمَمِهِمْ فِي كُلّ شَيْءٍ وَوَاسِطَتُهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ. (۱)

’’انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اُمتوں کے لئے ہر شے میں واسطہ ہیں اور انبیاء کا واسطہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔‘‘

علامہ صاوی حضور ﷺ کو اَلْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَهُوَ الْوَاسِطَةُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ حَتّٰى آدَمَ. (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ہر واسطہ کا واسطہ ہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کا بھی واسطہ ہیں۔‘‘

اَئمہ و محدّثین نے اِس اَمر کی صراحت کی ہے کہ محض عقل کے بل بوتے پر معرفت الٰہی ممکن نہیں، یہ رسول ہی تھے جن کے واسطہ سے لوگ دین سے آشنا ہوئے۔ ہمارے عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کی اساس اس پر قائم ہے کہ واسطۂ نبوت و رسالت ناگزیر اور اٹل حقیقت ہے۔

۶۔ قبل از اسلام یہود کا عقیدہ

آپ ﷺ کی ولادت سے قبل یہود، مشرکینِ عرب پر فتح حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ اور واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) صاوی، تفسیر صاوی ۱: ۱۰۷

(۱) صاوی، تفسیر صاوی، ۱: ۲۲

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (۱)

’’حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب ’’قرآن‘‘ کے وسیلے سے) کافروں پر فتحیابی (کی دعا) مانگتے تھے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کا ایک عمل بیان ہوا ہے جس کی قرآن مجید نے تصدیق فرمائی اور جملہ محدثین و مفسّرین کرام نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب گزشتہ اُمتوں کا ہمارے آقا و مولیٰ حضور نبی اکرم ﷺ سے توسّل کرنا ثابت ہے تو پھر اس امت کے لئے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنا تو بطریقِ اولیٰ جائز اور درست عمل ہے۔

۷۔ واسطہ کی تقسیم

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ہر واسطہ شرک نہیں ہوتا بلکہ صرف واسطۂ تعبد یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حصولِ تقرب کے لئے (بطورِ وسیلہ) کسی کی عبادت کرنا شرک ہے جیسے کفار و مشرکین بت پرستی کے جواز کے لئے عبادت کا واسطہ اختیار کرتے تھے۔ بنیادی طور پر وسائط کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ واسطۂ شرعیہ
۲۔ واسطۂ شرکیہ

واسطۂ شرعیہ کا مفہوم

ہر اس عمل اور فعل کو اختیار کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، وہ فی نفسہٖ تقرب الی اللہ کے لئے واسطۂ شرعی کا حکم رکھتا ہے۔ واسطۂ شرعی کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ واسطہ کی حقیقت و اہمیت سے عدم آگاہی کے سبب مطلقاً یہ حکم لگا دینا کہ ہر واسطہ شرک ہے قطعاً درست نہیں مثلاً دورانِ نماز استقبال قبلہ (قبلہ کی طرف منہ کرنا) واسطہ شرعیہ ہے۔ اس واسطہ کے ذریعہ کعبہ کی عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اس کی طرف

(۱) البقرہ، ۲: ۸۹

منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی جاتی ہے۔

واسطہ شرکیہ کی تعریف

ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت ﷺ کے بغیر واسطہ اختیار کرنا شرعی نہیں بلکہ شرکیہ واسطہ ہے مثلاً کفار و مشرکین کا اپنے معبودانِ باطلہ یعنی لات وعزیٰ وغیرہ کی عبادت و پرستش کرنا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا شرکیہ واسطہ ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص انبیاء و اولیاء کا واسطہ اس غلط تصور کی بنیاد پر اختیار کر لیتا ہے کہ جس طرح انسانوں کے معاشرے میں وزراء کی سفارش کے بغیر بادشاہ کے یہاں کوئی کام نہیں بنتا اسی طرح واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ بھی نہ دعائیں سنتا ہے اور نہ عبادت قبول کرتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنا بلاشبہ شرک ہے کیونکہ بادشاہ اور وزیر کے باہمی تعلق کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء واولیاء کرام کے تعلق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بادشاہ یا حکمران اپنے وزراء کی اعانت ومشاورت کا حاجت مند ہوتا ہے، اس باہمی تعلق میں دونوں انسان ہیں اور دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ ان حقوق میں سے ایک اعانت ومشاورت کا حق ہے جن کا بادشاہ بطورِ انسان محتاج اور ضرورت مند ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات قادرِ مطلق ہے، وہ احکم الحاکمین ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی برگزیدہ ہستی خواہ نبی ہو یا ولی وہ کسی کی معاونت، مشاورت اور حکم و تجویز کا محتاج نہیں اور نہ کسی کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء اکرام کے توسُّل کو شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے، یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہ جبر و اکراہ منوانے پر کوئی بھی قادر نہیں ہے۔ اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے فضل و کرم اور اپنی شانِ عطا سے نوازتا ہے۔ وہ محض اپنے فضل و کرم سے ان کی دعاؤں کی شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص شفیع اور غالب کا عقیدہ رکھ کر واسطہ اختیار کرے تو ایسی صورت میں ہم اسے واسطۂ شرعیہ نہیں واسطۂ شرکیہ کہیں گے۔

آئندہ فصول میں وسائط پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

فصل اوّل

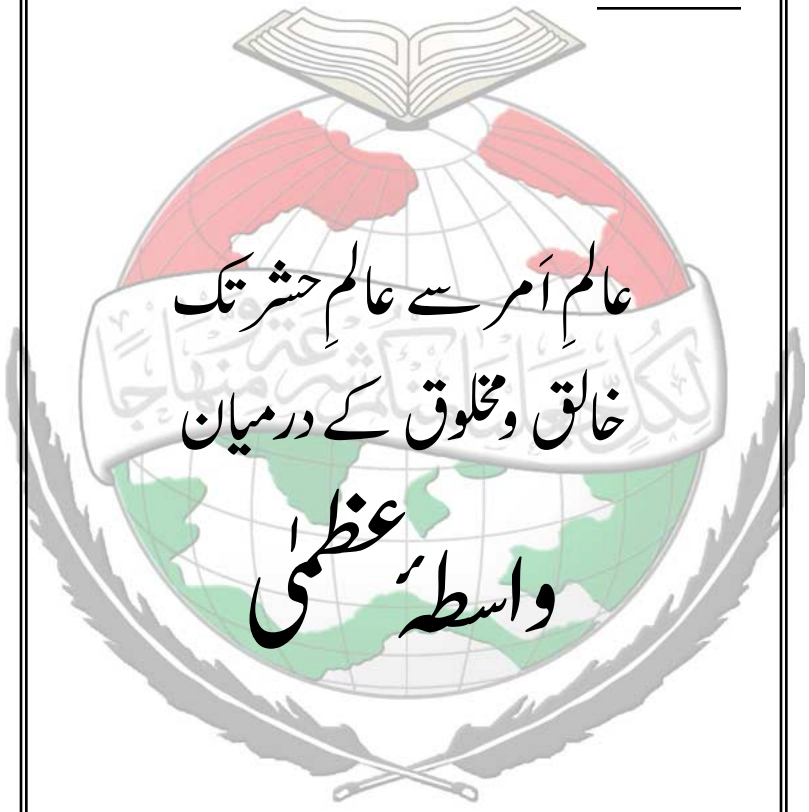

عالمِ اَمر سے عالمِ حشر تک
خالق و مخلوق کے درمیان
واسطۂ عظمیٰ

www.MinhajBooks.com

آیاتِ بینات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں واسطہ اور وسیلہ بنانا اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی سنت ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود ذات و صفات اور افعال میں سے کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب واسطہ بن سکتی ہے؟ ان شرعی وسائط کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے لیکن یہاں ہم سب سے پہلے کائنات ہست و بود کی سب سے بڑی ہستی ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی اِس حیثیت کا مطالعہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ بنایا۔ عالمِ امر و خلق ہو یا عالمِ ارواح، عالمِ دنیا ہو یا عالمِ برزخ یا عالمِ حشر، ازل سے ابد تک ہر جگہ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہی ہمیں نظر آتی ہے جو ہر ہر لمحے پر مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ بن رہی ہے۔

ذیل میں ہم بالترتیب ان تمام مراحل اور ان میں حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطۂ جلیلہ کی مرکزی حیثیت کا بالاختصار تذکرہ کر رہے ہیں۔

۱۔ تخلیقِ کائنات اور واسطۂ رسالت محمدی ﷺ

قرآن و حدیث اور ان کی تشریحات و توضیحات کا تمام ذخیرہ چھان لیں ہمیں از اوّل تا آخر ایک ہستی، ایک ذات اور ایک شخصیت دکھائی دیتی ہے جو اس پوری بزم کون و مکان میں محبوبیت عظمیٰ کے مقام پر فائز ہے اور وہ ہے ..... ہمارے آقائے نامدار حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس ..... تمام خلق میں کوئی آپ ﷺ سے بڑھ کر کیسے ہوتا کہ خالق نے تو اس عالم و ارض و سماء میں جن و انس اور موت و حیات کا نظام بنایا ہی انہی کے لیے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی کا مضمون ملاحظہ

کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وعزتی و جلالی لولاک ما خلقت الجنّة ولولاک ما خلقت الدّنیا. (۱)

''میری عزت وعظمت کی قسم، اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو جنت کو بھی پیدا نہ کرتا اور اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو پھر دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔''

ایک اور حدیث جسے کثیر ائمہ ومحدثین نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ. (۲)

''محبوب! اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو کائنات ہست و بود کو بھی وجود میں نہ لاتا۔''

معروف مفسر امام آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) نے تفسیر روح المعانی میں حقیقت محمدیہ ﷺ کے بیان میں اس حدیث کو بیان کیا ہے پھر اسی روایت کو سورۃ الفتح کی آیت إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں ''لَکَ'' کی تفسیر میں لکھا ہے:

أن لام (لَکَ) للتعلیل و حاصله أظهرنا العالم لأجلک و هو فی معنی ما یرونه من قوله سبحانه (لولاک لولاک ما خلقت الأفلاک). (۳)

''(لَکَ) میں لام تعلیل کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے عالم کو آپ کی خاطر ظاہر کیا، اس کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہوا ہے کہ

---

(۱) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۲۲۷، رقم: ۸۰۳۱

(۲) ۱۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۱۴، رقم: ۲۱۲۳

۲۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۱: ۵۱

(۳) آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۲۶: ۱۲۹

(اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔‘‘

معلوم ہوا کہ مفسرین اور دیگر ائمہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ الفاظ میں فرق تو ہوسکتا ہے لیکن معناً یہ روایت بالکل درست ہے، نور نبی ﷺ کی اوّلیتِ تخلیق کے حوالے سے ذخیرۂ کتب احادیث میں کئی روایات ملتی ہیں۔ علامہ عجلونی (۱۱۶۲ھ) نے مذکورہ بالا روایت کے بارے میں لکھا ہے۔

و أقول لکن معناه صحیح و إن لم یکن حدیثاً.(۱)

’’میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حدیث نہ بھی ہو تو بھی یہ روایت معناً صحیح ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کے باب میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ائمۂ عقائد کے نزدیک آپ ﷺ کے نور کی (تخلیق کے اعتبار سے پوری کائنات پر) حقیقی اوّلیت ہر قسم کے شک و شبہ اور اختلاف سے بالاتر ہے۔

وہ ائمہ جو عقائد میں سند کا درجہ رکھتے ہیں جن کی عمریں توحید اور شرک کا صحیح مفہوم سمجھانے میں صرف ہوئیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نورِ محمدی ﷺ کو سب سے پہلے تخلیق کیا گیا انہی ائمہ میں سے ایک امام ابوالحسن اشعری ہیں جو عقائد میں امام علی الاطلاق ہیں، حدیث نور کی شرح میں وہ فرماتے ہیں:

الله تعالی نور، کالأنوار، والرّوح النّبویة القدسیّة لمعة من نوره والملئکة شرر تلک الأنوار، وقال ﷺ أوّل ما خلق الله نوری ومن نوری خلق کل شئ.(۲)

’’اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی روحِ مقدّسہ اسی نور کی ایک چمک ہے اور فرشتے انہی انوار کا پرتو ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ

(۱) عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۱۴، رقم: ۳۱۲۳

(۲) فاسی، مطالع المسرّات: ۲۶۵

نے میرا نور پیدا کیا اور باقی ہر چیز میرے نور سے پیدا کی۔‘‘

ائمۂ کاملین اور اجل محدثین ومفسرین کرام نے تخلیقِ محمدی ﷺ کے حوالے سے مروی احادیث کو قبول کر کے اپنی گراں قدر تصانیف میں جگہ دی ہے اور پھر ان کی تشریح وتعبیر کر کے یہ ثابت کیا کہ آقائے دوجہاں ﷺ تمام مخلوقات سے نہ صرف افضل و برتر ہیں بلکہ وجہِ تخلیقِ کائنات بھی آپ ﷺ ہیں یعنی کائنات کو وجود میں لانے کا واسطہ بھی آپ ﷺ ٹھہرے، بقول مولانا ظفر علی خان ؎

گر ارض و سما کی محفل میں لَوْلَاکَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں (۱)

تخلیقِ کائنات میں واسطۂ رسالت ﷺ کو ایک نعتیہ شعر میں اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ نے کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے (۲)

۲۔ عالم اَرواح اور واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ

عالمِ اَرواح میں جب تمام اَنبیاء کرام علیہم السلام کو خلعتِ نبوت سے مشرف فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے نہ صرف واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ کی اہمیت وافادیت بیان فرمائی بلکہ اس واسطۂ عظمیٰ کو ہی نبوت و رسالت کے مناصبِ جلیلہ کی تفویض کا ذریعہ قرار دیا۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ

(۱) مولانا ظفر علی خان
(۲) احمد رضا خان، حدائق بخشش، ۱: ۶۲

جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ ○ (۱)

''اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں○''

اللہ تعالیٰ جب تمام پیغمبروں سے مناصبِ نبوت و رسالت کا حلف لے رہا تھا تو اس مجلسِ جلالت و مرتبت اور علوِشان کا عالم کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ انسانی عقل و شعور کی حدِ ادراک سے باہر ہے۔ لیکن ہماری عقلِ ناقص اس اُلوہی مجلس کی عظمت و شان کے ایک پہلو کا یوں اندازہ لگا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انبیاء و رسل علیہم السلام کے اس مقدّس اجماع میں اپنی شان کے لائق اپنے رسولِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کا اظہار فرمایا۔ اسی قدر و منزلت کے اظہار کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کی شرط عائد فرما کر انبیاء و رسل علیہم السلام کو اس واسطہ کی اہمیت باور کروائی۔ اس مجلس میں بڑے اِہتمام سے اس حلف کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کو بطورِ خاص بتایا گیا کہ تمہیں نبوت و رسالت کی عظیم نعمت اور جلیل القدر منصب دیا جا رہا ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم میں سے ہر ایک کی رسالت و نبوت بالواسطہ میرے محبوب خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چراغِ نبوت و رسالت سے مستنیر اور مستفیض ہو گی۔

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۸۱

چنانچہ کسی نبی علیہ السلام کو بھی عالمِ ارواح میں اس وقت تک نبوت عطا کی گئی، نہ کسی رسول علیہ السلام کو شعور رسالت سے بہرہ ور کیا گیا۔ جب تک کہ اسے نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ کا شعور نہیں دے دیا گیا بلکہ ہر نبی کو نبوت و رسالت کے اقرار و اِدراک سے بھی پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرایا گیا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی کو پہلے نبوتِ مصطفوی ﷺ پر ایمان لانا ضروری تھا، اور اس ایمان لانے کے توسُّل اور توسُّط کے طفیل حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا۔ اسی لئے امام بوصیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بحرِ جود و سخا سے انبیاء علیہم السلام بھی دامنِ مراد بھرتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ(۱)

(تمام انبیاء علیہم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کے بحرِ کرم و عطا اور ابرِ رحمت سے چلو بھر یا مانندِ قطرۂ آب کے خواست گار ہیں۔)

اس واسطۂ عظمیٰ ﷺ کی تصدیق کر کے ہی انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک اپنی اپنی نبوت سے سرفراز ہوئے۔ انہیں یہ نعمتِ رسالت عمومی حیثیت سے نہیں ملی تھی بلکہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنے کے لئے آپ ﷺ کے شایانِ شان تمام ارواحِ انبیاء کرام علیہم السلام کی مجلس منعقد فرمائی اور سب سے وعدہ لے کر نہ صرف انہیں ایک دوسرے کا شاہد بنایا بلکہ خود کو اپنے محبوب ﷺ کی نبوت کے گواہوں میں شامل ہونے کا اعلان فرما دیا۔

۳۔ عالم دنیا اور واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ

عالمِ دنیا میں جب اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات یعنی انسان کی تخلیق کا آغاز

(۱) بوصیری، قصیدة بردة

فرمایا تو سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر انہیں مسجودِ ملائکہ بنایا اور انہیں حقائقِ اشیاء کا علم عطا فرما کر فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اس برگزیدہ بشر اوّل کو نبوت کی نعمت سے سرفراز فرما کر آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ وہاں قدرت کی طرف سے آپ کو ایک امتحان میں ڈالا گیا جس کے نتیجے کے طور آپ کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا، یہ سارے واقعات قرآن حکیم میں بالتفصیل بیان ہوئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی پھر اس کو معاف کیا گیا لیکن یہ معافی انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطۂ جلیلہ کے طفیل نصیب ہوئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألک بحق محمد لما غفرت لی، فقال الله: يا آدم، و کيف عرفت محمداً ولم أخلقه؟ قال: يا رب لأنک لما خلقتنی بيدک، و نفخت فيَّ من روحک، رفعت رأسي فرأيت علی قوائم العرش مکتوبًا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنک لم تضف إلی اسمک إلا أحبّ الخلق إليک، فقال الله تعالیٰ: صدقت يا آدم، إنه لأحب الخلق إليّ، و إذ سألتنی بحقّه فقد غفرت لک، و لولا محمد ما خلقتک۔ (۱)

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۴۸۶، رقم: ۴۲۲۸
۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۶: ۳۱۳، رقم: ۶۵۰۲
اس روایت کو ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸: ۲۵۳) میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر (۷: ۴۳۷) میں، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ، (۱: ۸۱) میں، سیوطی نے الخصائص الکبریٰ، (۱: ۱۲) اور الدر المنثور (۱: ۱۴۲) میں، حلبی نے انسان العیون (۱: ۳۵۵) میں اور قسطلانی نے المواہب اللدنیۃ (۱: ۸۲) میں روایت کیا ہے۔

’’جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ اُلوہیت میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں تجھ سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما دے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ ابھی میں نے ان کو (دنیا میں) پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا: اے میرے رب! میں نے انہیں اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے میرے اندر روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ سو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے مقدس نام کے ساتھ ایسی ہستی کے نام کو ملایا ہے جو تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے صحیح سمجھا، واقعی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔‘‘

۴۔ عالمِ برزخ اور واسطۂ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابتدائے کائنات سے اختتام تک ہر مرحلۂ حیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہونا صحیح اَحادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ عالمِ اَمر اور دنیا میں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسطہ ہیں اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی واسطۂ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناگزیر ہے۔ یعنی قبر میں نجات بھی واسطۂ رسالت کے بغیر نہیں مل سکتی۔ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قبر میں تین سوالات پوچھے جائیں گے (۱) بتا تیرا رب کون ہے؟ (۲) تیرا دین کیا ہے اور آخر میں تیسرا سوال ہوگا (۳) اس ہستی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ محققین علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے دو سوالات کے جوابات درست دے بھی دے لیکن اگر تیسرا جو لازمی سوال ہے اس میں ناکام رہا تو پھر دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ احادیثِ

مبارکہ سے اس بات کی قطعی تائید ملتی ہے۔ بخاری شریف اور دیگر کتبِ صحاح میں بشمول مسند احمد بن حنبل میں اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ قبر میں فیصلہ کن سوال صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہوگا۔ ان کتب میں صرف ایک سوال کا ذکر ہے جو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کے بارے میں ہوگا اور یہی نجات کی شرط اور واسطہ ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ. فَيُقَالُ لَهُ: أُنْظُرْ إِلَى مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَکَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا. قَالَ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي! كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ! فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ.(۱)

’’بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے لواحقین واپس چلے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ۱: ۴۶۲، رقم: ۱۳۰۸،
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب التی یصرف بها فی الدنیا أهل الجنة وأهل النار، ۴: ۲۲۰۰، رقم: ۲۸۷۰
۳۔ أبوداود، السنن، کتاب السنة، باب فی المسألة في القبر وعذاب القبر، ۴: ۲۳۸، رقم: ۴۷۵۲

جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر کہتے ہیں: تو اس شخص یعنی (سیدنا محمد ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ اگر مومن ہو تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: (اگر تو ایمان نہ لاتا تو تیرا ٹھکانا جہنم میں ہوتا) جہنم میں اپنے اس ٹھکانے کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے (نیک اعمال کے سبب) اس کے بدلے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے۔ پس وہ دونوں کو دیکھتا ہوگا، اور اگر منافق یا کافر ہو تو اس سے پوچھا جائے گا: تو اس شخص (یعنی سیدنا محمد ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے: مجھے تو معلوم نہیں، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا: تو نے نہ جانا اور نہ پڑھا۔ اسے لوہے کے گُرز سے مارا جائے گا تو وہ (شدت تکلیف سے قبر میں) چیختا چلاتا ہے جسے سوائے جنات اور انسانوں کے سب قریب والے سنتے ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ، وَ الْآخَرُ: النَّكِيْرُ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: مَا كَانَ يَقُوْلُ: هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ هَذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِيْنَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيْهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ، فَيَقُوْلُ: أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ؟ فَيَقُوْلَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِي لَا يُوْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ وَ إِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ:

سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذَلِکَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ فِيْهَا أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِکَ. (۱)

’’جب میت کو یا تم میں سے کسی ایک کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلگوں آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ وہ دونوں اس میت سے پوچھتے ہیں۔ اس عظیم ہستی (رسولِ مکرم ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ شخص وہی بات کہتا ہے جو دنیا میں کہا کرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بیشک حضور نبی اکرم ﷺ اس کے (خاص) بندے اور رسول ہیں۔ فرشتے کہیں گے ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر اس کی قبر کو لمبائی و چوڑائی میں ستر ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور نور سے بھر دیا جاتا ہے پھر اسے کہا جاتا ہے: (آرام سے) سو جا، وہ کہتا ہے میں واپس جا کر گھر والوں کو بتا آؤں۔ وہ کہتے ہیں نہیں، (اب تو نئی نویلی) دلہن کی طرح سو جاؤ، جسے گھر والوں میں سے اسے محبوب ترین شخص ہی اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (روزِ محشر) اُسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر وہ شخص منافق ہو تو (سوالات کے نتیجے میں) کہے گا: میں نے ایسا ہی کہا جیسا میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا، میں نہیں جانتا (وہ صحیح تھا یا غلط)۔ پس وہ دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم ایسا

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب: ما جاء في عذاب القبر، ۳: ۳۸۳، رقم: ۱۰۷۱

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۳۸۶، رقم: ۳۱۱۷

ہی کہو گے۔ پس زمین سے کہا جائے گا کہ اس پر تنگ ہو جا پس وہ اس پر اکٹھی ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہو جائیں گی وہ مسلسل عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس ٹھکانے سے اٹھائے گا۔‘‘

مذکورہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قبر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی پہچان کا لازمی سوال ہو گا اور اس میں کامیابی ہی نجات کا باعث ہو گی۔ معلوم ہوا کہ عالمِ برزخ میں نجات کا واسطہ و وسیلہ بھی ذاتِ رسالتمآب ﷺ ہی ہیں پس جو شخص دنیا میں ذات رسالتمآب ﷺ سے اپنا تعلق مضبوط کرے گا اسے عالمِ برزخ میں بھی اسی واسطہ کے باعث نعمتوں بھرا جنت کا ٹھکانا نصیب ہو گا۔

۵۔ عالمِ حشر اور واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ کی ناگزیریت

قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ روزِ قیامت بھی شدت تکلیف میں تمام لوگ جمع ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ میں آئیں گے اور آپ ﷺ کو حضورِ الٰہ میں واسطۂ شفاعت بناتے ہوئے عرض کریں گے کہ ہمارے لیے اللہ کریم کے حضور سفارش کریں تاکہ حساب و کتاب کا مرحلہ جلدی شروع ہو اور ہم اس جان لیوا تکلیف سے نجات پائیں۔ اس روز ربِ ذوالجلال آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔ یہ وہ اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جو صرف آپ ﷺ کی شانِ نبوت کے لیے مختص ہے چنانچہ آپ ﷺ کے اس مقام و مرتبہ پر فائز ہونے سے جمیع امم کو فائدہ ہو گا۔ آپ ﷺ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور آپ ﷺ کے واسطۂ عظمیٰ سے لوگوں کو نجات ملے گی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا:

عَسٰٓی أَنْ يَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْدًاo[1]

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

’’یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گا۔‘‘

احادیثِ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کی خاطر حساب و کتاب شروع فرمائے گا۔ حضرت آدم بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ النَّاسَ يَصِيْرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثًا، كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُوْلُوْنَ: يَا فُلَانُ اشْفَعْ، يَا فُلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ. (۱)

’’روزِ قیامت سب لوگ گروہ در گروہ ہو جائیں گے۔ ہر امت اپنے اپنے نبی کے پیچھے ہو گی اور عرض کرے گی: اے فلاں! شفاعت کیجئے، اے فلاں! شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی بات حضور نبی اکرم ﷺ پر آ کر ختم ہو گی۔ پس اس روز شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُو يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ فَبَيْنَاهُمْ كَذَلِكَ اسْتَغَاثُوا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ. (۱)

’’قیامت کے روز سورج لوگوں کے بہت قریب آ جائے گا یہاں تک کہ پسینہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا، ۴: ۱۷۴۸، رقم: ۴۴۴۱

۲۔ النسائي، السنن الكبرى، سورة الإسراء، ۶: ۳۸۱، رقم: ۲۹۵

نصف کانوں تک پہنچ جائے گا لوگ اس حالت میں (پہلے) حضرت آدم علیہ السلام سے مدد مانگنے جائیں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، اور بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگیں گے۔‘‘

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس کائناتِ ہست و بود کے ہر مرحلے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہے۔ یہ کائنات اپنے وجود اور ارتقاء میں اسی واسطۂ جلیلہ کی محتاج ہے۔ ایمان کا سفر بھی از اوّل تا آخر ہر ہر لمحہ واسطۂ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستنیر ہے۔ انسان اپنے آغاز سے انجام تک اور قبر سے حشر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ممتاز اور مشرف ہو گا۔ کفر اور ایمان کے درمیان جاری زندگی کے حسین انجام کا فیصلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی بنیاد پر ہو گا۔

www.MinhajBooks.com

فصل دُوُم

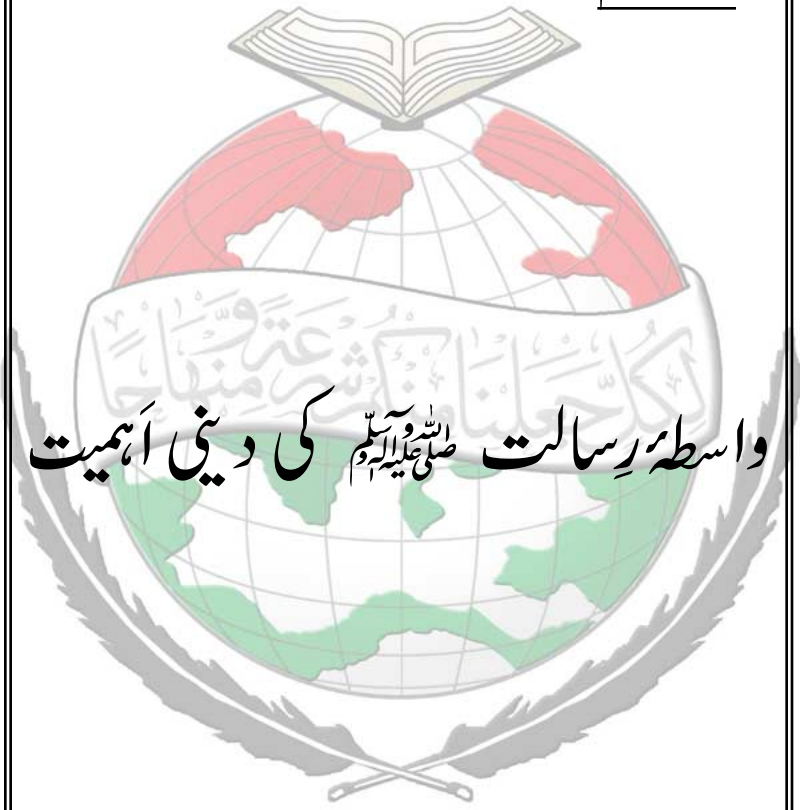

واسطۂ رِسالت ﷺ کی دینی اَہمیت

www.MinhajBooks.com

گزشتہ صفحات میں جس طرح ہم اس حقیقت سے روشناس ہوئے کہ عالمِ امر سے عالمِ خلق تک اور عالمِ ارواح سے عالمِ حشر تک، انبیاء و رسل ہوں یا عام انسان، ہر کسی کو حسبِ حال ہر اہم مرحلے پر واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ سے اکتسابِ فیض کی ضرورت پڑتی رہی اور پڑتی رہی گی ۔ جس طرح ہر موڑ پر اور ہر قدم پر نظامِ قدرت کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ محتشم رسولِ معظم نبیٔ اکرم ﷺ کا واسطۂ جلیلہ باعثِ نجات و برکت بنایا ہے بالکل اسی طرح مسلمان ایمان کے حصول سے لے کر اس کی حفاظت و اِرتقاء اور اعمال و افعال کی قبولیت تک، ہر لحہ رسول اللہ ﷺ کے توسُّط، توسُّل اور تعلقِ محبت کا محتاج ہے۔ ذیل میں ہم اس کی مزید تفصیلات زیرِ بحث لاتے ہیں۔

۱۔ واسطۂ رسالت ﷺ کے بغیر توحید ایمان نہیں بن سکتی

قرآنِ مجید میں کفار و مشرکین کے تصورِ توحید اور وجودِ باری تعالیٰ سے متعلق ان کے عقیدے کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ○ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ○ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ م بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ○ (۱)

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۱-۶۳

’’اور اگر آپ اِن (کفّار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تابع فرمان بنا دیا تو وہ ضرور کہہ دیں گے: اللہ نے، پھر وہ کدھر الٹے جا رہے ہیں○ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے، اور جس کے لئے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اُتارا پھر اس سے زمین کو اس کی مُردنی کے بعد حیات (اور تازگی) بخشی تو وہ ضرور کہہ دیں گے اللہ نے، آپ فرما دیں: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر (لوگ) عقل نہیں رکھتے○‘‘

اِن آیاتِ مبارکہ سے پتہ چلا کہ کفار کا عقیدۂ توحید چونکہ خودساختہ اور اِقرارِ رسالت سے خالی ہے اس لیے وہ ایمان نہیں بن سکتا کیونکہ توحید بننے کے لئے واسطۂ رسالت شرط ہے۔ وہ عقیدہ جو واسطۂ رسالت سے حاصل ہو وہی ایمان بنتا ہے جیسے سورۂ نجم میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى○ (۱)

’’اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔‘‘

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کلام کرنے کو کسی بھی ذاتی خواہش سے مبرا قرار دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ ﷺ اپنی زبانِ حق ترجمان سے بیان کرتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔ ان پر جو وحی نازل ہوتی ہے اسے وہ من وعن آگے منتقل (communicate) کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام و پیغام پہنچانے کے لئے آپ ﷺ کی نبوت کو واسطہ بنایا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) النجم، ۵۳: ۳-۴

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ. (۱)

’’اور (جو لوگ) اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔‘‘

یہاں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے ایک معیارِ ایمان قائم کر دیا وہ یہ کہ جو کچھ اس نے اپنے محبوب محمد ﷺ پر نازل کیا وہی حق ہے اور جو گفتۂ حق انہوں نے اپنی زبان سے بیان کر دیا ’’وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ‘‘ (وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے) اور حق بات کے سوا اور کچھ نہیں جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے کہ زبانِ رسالتمآب ﷺ سے سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی بات صادر نہیں ہوئی۔

۲۔ ہدایت پر استقامت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

جس طرح ہدات پانے کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ کی ضرورت ہے اسی طرح ہدایت پر قائم رہنے اور استقامت حاصل کرنے کے لئے بھی بارگاہِ اُلوہیت میں صرف ایک واسطہ اور ذریعہ ہے اور وہ ہے واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا:

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ (۲)

’’اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود

(۱) محمد، ۴۷: ۲

(۲) آل عمران، ۳: ۱۰۱

ہیں، اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔‘‘

یہ آیتِ کریمہ بھی توسُّط پر دلالت کرتی ہے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسا واسطہ اور ذریعہ ہیں جس کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر راہِ ہدایت کی روشنی عطا فرماتا ہے۔ جبکہ وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ کفر کی طرف پلٹ کر نہ جانا بھی رسول ﷺ کے وسیلہ اور واسطہ سے ہے۔ یعنی ہدایت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے وسیلہ سے اور اس ہدایت پر استقامت بھی اگر ملتی ہے تو رسول ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے۔ وہ براہِ راست ہدایت دے سکتا ہے مگر جب وہ خود فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ سے ہمیں ہدایت پر قائم رکھے گا تو اس سے ہمارے لئے یہی ثابت ہوا کہ واسطۂ رسالت ﷺ ہی ہمارے لئے دین و دنیا میں ڈھال ہے۔ دنیا میں کفر کے ارتکاب سے اور آخرت میں عذابِ جہنم سے۔

سورۂ انفال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○ (۱)

’’اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت سے عذاب ٹال دینے کی دو وجوہات

(۱) الانفال، ۸: ۳۳

بیان فرمائیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی ان میں موجودگی

۲۔ اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت

سب سے پہلے امت کے اندر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب سے ڈھال قرار دیا۔ اس کے بعد اپنے حضور طلبِ مغفرت کو عذاب ٹلنے کا سبب فرمایا۔ بارگاہِ اُلوہیت میں طلبِ مغفرت سے بھی مقدم رسول ﷺ کا واسطہ بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک رسول ﷺ موجود ہیں ان کے وسیلہ سے امت پہ عذاب نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ اس سے ظاہری حیاتِ طیبہ مراد لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ درست نہیں۔ یہاں بالکل ایسی کوئی بات نہیں کہ ظاہری حیاتِ مبارکہ میں تو توسُّل جائز ہو اور بعد از ممات ناجائز ہو جائے بلکہ یہاں مطلقاً آپ ﷺ کی موجودگی کا ذکر ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک قائم ہے اور آپ ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ بھی حیات ظاہری کی طرح اب بھی جائز ہے۔

۳۔ حصولِ تقویٰ کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

تمام عباداتِ الٰہیہ کا مقصد حصولِ تقویٰ ہے، جیسے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیّت کا مقصد بیان فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (۱)

’’اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ○‘‘

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۳

لیکن یہ تقویٰ کیسے حاصل ہو؟ انسان کیسے متقی بن سکتا ہے؟ اگر تقویٰ تمام نیکیوں کی اصل ہے تو اس سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ ذہن سے اٹھنے والے ایسے سوالات کا جواب ہمیں قرآن حکیم کی اس ایک آیت سے مل جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○(۱)

''اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ ہی تو متقی ہیں○''

اس آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے بالاتفاق اَلَّذِیْ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی مراد لی ہے۔ یہاں بطورِ استشہاد چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ'' کے تحت مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابنِ زید سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ هو رسول الله ﷺ. (۲)

''وہ ذات جو صدق لے کر آئی اس سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔''

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اسی طرح توضیح فرمائی ہے۔

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ النبی ﷺ ﴿وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ أبو بکر رضی اللہ عنہ. (۳)

''یعنی اَلَّذِیْ سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ اور صَدَّقَ بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(۱) الزمر، ۳۹:۳۳

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۴

(۳) سیوطی، الدر المنثور، ۷:۲۸۸

اہلِ علم جانتے ہیں کہ ''اُولٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ''کلمۂ حصر ہے، قرآن حکیم تقویٰ کے مفہوم کو متعین کرنے کے بعد ان کلمات کو بطورِ حصر لا کر میعارِ تقویٰ کو واضح کرتے ہوئے یہاں ایک شرط لگا رہا ہے، جس کو پورا کئے بغیر کوئی شخص بھی تقویٰ کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔ جو اس شرط کو پورا کرے گا وہی متقی ہوگا اور جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ اگر عبادت و ریاضت کے پہاڑ بھی اپنے کندھوں پر اٹھاتا پھرے، متقی نہیں بن سکتا۔

تقویٰ کی شرط

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی شرط ہے جس پر تقویٰ کا انحصار ہے ارشاد فرمایا گیا:
اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ، وہ ذاتِ محمدی ﷺ جو سچائی لے کر آئی اور جس نے اس سچائی کی تصدیق کی، اُولٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، وہی متقی ہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیلاً ذکر ہوچکا کہ اس آیت کے پہلے حصے سے مراد تو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ''اُولٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' میں بھی آپ ﷺ شامل ہیں کیونکہ نبی خود بدرجہ اولیٰ اپنی نبوت کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ تفاسیر میں اس آیت کے تحت اس کی بھی وضاحت ملتی ہے مثلاً تفسیر روح البیان میں ہے۔

> ودَلت الاٰية علی انّ النبی علیه السلام يصدق أيضاً بما جاء به من عند الله ويتلقاه بالقبول كما قال اللّٰہ تعالیٰ: ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ. (البقرہ، ۲: ۲۸۵)(۱)

''یہ آیتِ کریمہ اس بات کی شاہد ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی اس حقیقت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں، جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرحمت فرمائی گئی، اور آپ ﷺ بھی (دوسروں کی طرح) اس پر ایمان لائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(وہ) رسول (ﷺ) اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی

(۱) إسماعيل حقی، تفسير روح البيان، ۸: ۱۰۸

تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔''

مگر توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کو متقی کہنا آپ ﷺ کے کمال کا اظہار ہے؟ آیتِ مبارکہ کا مدعا یہاں ہرگز یہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات تو متقی گر ہے۔ آپ ﷺ تو تقویٰ کی دولت تقسیم فرماتے ہیں بلکہ آپ ﷺ تقویٰ کی وہ بنیاد لے کر زینت آراء بزمِ کون ومکاں ہوئے جس سے خود تقویٰ کو وجود ملا۔ لہٰذا یہاں بات اُس شخص کی ہورہی ہے جو اس سچائی کو بہ دل و جان تسلیم کرے گا اور اس کی تصدیق کرے گا۔

تصدیق کیا ہے؟

اب لفظِ صدق پر غور کرنے سے اس شرط کی نوعیت اور ضرورت مزید واضح ہوجائے گی۔ تصدیق عربی لفظ ''صَدَقَ'' سے بابِ تفعیل کے وزن پر ہے۔ اس کے معنٰی ''دل کی گہرائیوں سے کسی چیز کو تسلیم کرلینے اور مان لینے کے ہیں۔ مفردات میں امام راغبؒ نے صدق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

الصِّدْقُ مُطابقةُ القَوْل الضمير والمخبرعنه معاً.ومتٰى انحرم شرط من ذالک لم يكن صِدْقًا تاماً. (۱)

''صدق کے معنی ہیں دل و زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفسِ واقع کے مطابق ہونا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو کامل صدق باقی نہیں رہتا۔''

لہٰذا، اس سچائی کو اس حیثیت سے ماننا ہی حقِ تقویٰ ہے۔ بالکل اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر واضح کیا اور تقویٰ کو تصدیق کرنے والوں کے ساتھ مختص کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) راغب الأصفهانی، المفردات فی غریب القرآن: ۲۷۷

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (۱)

’’یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں○‘‘

توضیحات بالا سے یہ واضح ہوا کہ آیتِ متذکرہ میں اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جن افراد نے میرے محبوب ﷺ کی لائی ہوئی سچائی کی بلا تامل تصدیق کر دی وہی صحیح معنوں میں متقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں بزرگی پائے ہوئے ہیں یہی وہ شرط ہے جو تقویٰ کے لئے ضروری ہے۔ معلوم ہوا حصولِ تقویٰ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور ان پر ایمان بنیادی چیز ہے۔

۴۔ محبتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

تقویٰ کا ماحصل رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہی انسانی زندگی کا نصب العین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے بغیر انسان کو اس کا قرب و رضا میسر نہیں آ سکتا۔ قرآن مومنین کی علامت بیان کرتے ہوئے یہ شہادت فراہم کر رہا ہے کہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ. (۲)

’’اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔‘‘

لیکن کیا قرآن اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ یا راستہ بھی بتاتا ہے یعنی کوئی آدمی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ قربان جائیں قرآن کی عظمت پر جو قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے، فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۷

(۲) البقرہ، ۲: ۱۶۵

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○(۱)

’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ سے بے شمار مفاہیم اور حکمتیں مترشح ہیں لیکن یہاں سرِدست یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ

- اگر کوئی یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرکے اس کی رضا حاصل کرے اور اس کے قرب و وصال کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا چاہے کہ یہی مقصود بندگی ہے تو یہ صرف اور صرف واسطۂ رسول ﷺ سے مشروط ہے۔
- حضور نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع اور تعلقِ غلامی انسان کو محبّ کے مقام سے اٹھا کر محبوبِ الٰہی بنا دیتی ہے۔
- حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطۂ اطاعت میں آنے سے پہلے انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتا تھا مگر جب غلامی اختیار کرلی تو اب نہ صرف محبت کرنے لگا بلکہ اس کا محبوب بن گیا اور اللہ جل مجدہ اس انسان کا محبّ بن گیا۔ کہاں وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خواہش کرتا تھا اور کہاں یہ مقام جہاں خدا خود اس کا محبّ بن کر ہر آن اس کی رضا چاہتا ہے؟ پھر وہ بندہ صرف بندہ نہیں، عبدہٗ اور محبّ نہیں بلکہ محبوب بن جاتا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

کیا یہ سب رفعتیں، عظمتیں اور بندہ نوازیاں حضور نبی اکرم ﷺ سے جبی تعلق

(۱) آلِ عمران، ۳: ۳۱

اور توسط کا ثمر نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں۔

۵۔ اطاعتِ الٰہی کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

محبتِ الٰہی بندے سے اطاعتِ الٰہی کا تقاضا کرتی ہے۔ تقویٰ کے عمومی تصور کے مطابق اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی تقویٰ ہے۔ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر اطاعتِ الٰہی کی تلقین فرمائی ہے اور اس کو کامیابی کی شرط قرار دیا ہے۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (۱)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

اس آیتِ کریمہ میں رسولوں کی بعثت کا سبب بیان کیا گیا ہے جو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تاکہ اللہ کے حکم سے جو کچھ وہ کہیں اسے مانا جائے اور قبول کیا جائے اور ان کی اطاعت کی جائے۔ اس آیتِ کریمہ میں اس تصور کو ذہن میں راسخ کیا گیا ہے کہ نبی اور رسول علیہم السلام ہی اللہ تعالیٰ کی بات انسانوں تک پہنچانے کیلئے درمیانی واسطہ اور ذریعہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے اذن سے لوگوں تک پہنچائیں اور وہ جو کہیں اس کو سچ مانا جائے اور اس پر عمل کیا جائے کیونکہ وہی حق ہے۔ رسولوں کی جماعت اللہ ﷻ کو جاننے، ماننے اور ایمان لانے کا واحد ذریعہ (Source) ہے، گویا توحید اور ایمان باللہ کا تحقق صرف اور صرف نبوت و رسالت کے واسطے سے ہوتا ہے۔

۲۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی واضح الفاظ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو ہی اپنی اطاعت قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

---

(۱) النساء، ۴: ۶۴

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ.(۱)

’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔‘‘

یہاں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیے جانے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی بات کو مانا جائے تبھی ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد خصوصی طور پر اطاعت رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی یا جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس آیتِ مبارکہ نے ایک بڑی قرآنی حقیقت (Qur anic fact) کو یہ کہہ کر متحقق کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا بلاواسطہ ذریعہ سوائے واسطۂ رسالت کے اور کوئی نہیں ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو تو یہ سمجھ کر کیا کرو کہ ہم صرف رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے ، بلکہ یہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور حضور نبی اکرم ﷺ کی اِطاعت کے بغیر محض ایک مجرد خیال (Abstract idea) رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل پیکرِ محسوس نہیں ہے۔ نہ تو اس کی بات کسی کو سنائی دیتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی کو دکھائی دیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم (اطاعت) پر عمل اسی طرح ہوسکتا ہے کہ بس اسی طرح آنکھیں بند کرکے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و غلامی کی جائے یہ جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی ہے اور آپ ﷺ سے بغاوت و سرکشی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بغاوت و سرکشی ہے۔ حدیثِ صحیح کے الفاظ اس حقیقت کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ.(۱)

---

۱) بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۵۲

’’جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نا فرمانی کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی (اچھے اور برے) لوگوں کے درمیان معیارِ امتیاز ہے۔‘‘

حکیم الاُمت علامہ محمد اقبالؒ بڑے اچھوتے اور خاص انداز میں حضور ﷺ کی اطاعت و پیروی کو ذاتِ الٰہی تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عاشقی! محکم شو اَز تقیلدِ یار ﷺ
تا کمندِ تو شود یزداں شکار

(اے خدا سے عشق و محبت کا دعویٰ کرنے والے! حضور نبی اکرم ﷺ سے رابطہ و غلامی اور اطاعت کے رشتے میں پختگی پیدا کر، تاکہ ان کی غلامی کے ذریعے تیری کمندِ عشق بارگاہِ خداوندی تک پہنچ سکے۔)

بارگاہِ رِسالت ﷺ سے اعراض علامتِ نفاق ہے

قرآنِ مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے وابستگی پر اَجر و ثواب کا ذکر ہوا ہے جبکہ درِ رسالت ﷺ پر اپنی جبیں ہائے نیاز نہ جھکانے والوں اور بارگاہِ رسالتمآب ﷺ سے عمداً دوری اختیار کرنے والوں کی مذمت میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ (۲)

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں۝‘‘

(۱) النساء، ۴: ۶۱

یعنی جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبتِ غلامی استوار کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو ان میں منافق لوگ بارگاہِ اُلوہیت میں جانے سے تو انکار نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو حق تسلیم کرتے ہیں لیکن ’’یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا‘‘ صرف آپ ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے اعراض اور پس و پیش کرتے ہیں۔ بس اسی وجہ سے ان کے گلے میں منافقت کا طوق پہنادیا گیا ہے۔

اس آیت میں مسلمان اور منافق کی پہچان کا کلیہ اور قاعدہ متعیّن فرما دیا۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے بھاگنے والے اگر بارگاہِ اُلوہیت میں جانا چاہیں تو یہ ناممکن ہے کیونکہ:

تیرے در سے جو یار پھرتے ہیں
در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں!

لیکن جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آجائے وہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ تو ہے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ۔

۶۔ گناہوں کی بخشش ومغفرت کے لئے واسطۂ رسالت ﷺ

قبل ازیں یہ ذکر ہوچکا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مخلوق اور خالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہیں۔ اس واسطہ سے انحراف برتتے ہوئے ذاتِ خداوندی تک رسائی ہرگز ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے در سے پھرنے والوں کو اسی لیے تو منافق گردانتا ہے کہ وہ اس ذات کے واسطے کو فراموش کرکے اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ تعلق بحال کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی خبر دی اور اس کی واحدانیت اور شانِ خالقیت سے متعارف کرایا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا اگر توحید کے منافی ہے تو پھر ایسے لوگوں کو اپنے ایمان اور اسلام کی فکر کرنی چاہیئے۔

اللہ رب العزت ان کے اس زعمِ باطل کو رد کردیا کہ نہیں محبوب! جو تیری بارگاہ میں جھکنے سے گریزاں ہے وہ میری بارگاہ میں روزانہ سجدے کرتا پھرے، ساری ساری

رات عبادت کرتا رہے اور شب و روز ریاضتیں، مجاہدے اور تسبیحات کرتا رہے اور پوری زندگی دین کے نام پر ختم کر دے، اس کا وہ دین دین نہیں جس میں تیری نسبت و تعلق اور واسطے کا سبق نہ ہو۔ ان کی عبادتیں عبادت نہیں جو تیری محبت سے خالی ہوں۔ اور اس کی ان شب بیداریوں کا کوئی فائدہ نہیں جو تیری یاد میں آنکھوں کو اشکوں سے باوضو نہ رکھیں۔ یعنی جب تک وہ تیری بارگاہ میں سرِ تسلیم خم نہیں کرتے، ان کا شجرِ ایمان بے ثمر رہے گا۔ ان کی نیکیوں کی قیمت بھی تیری غلامی کی تصدیق سے پڑے گی۔ یہاں تک کہ وہ اگر اپنے گناہوں کی معافی بھی براہِ راست مجھ سے مانگیں گے تو اس وقت تک انہیں نہیں بخشوں گا، جب تک وہ تجھ سے غلامی کا رشتہ استوار نہ کرلیں۔ اس کی گواہی قرآن دے رہا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (۱)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو ان کے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت کے لئے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں آ کر آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنے اور آپ ﷺ کو واسطہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

جَآءُوْكَ کا مفہوم

مذکورہ آیتِ کریمہ میں لفظ ’’جَآءُوْكَ‘‘ کے ذریعے یہ واضح کر دیا گیا کہ

(۱) النساء، ۴: ۶۴

بارگاہِ رِسالت ﷺ قیامت تک لائقِ تعظیم وتکریم ہے۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے خطا کاروں کو آج بھی معافی اسی در سے تعلق اور واسطہ استوار کرنے سے ملتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کا یقین رکھتے ہوں۔ جو بھی دامنِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف متوجہ ہوگا، خواہ وہ ظاہراً بارگاہِ نبوت ﷺ کی حاضری میں ہو یا باطناً، محبت وعشق رسول ﷺ کی نسبت سے، یا اطاعت واتباع رسول ﷺ کے ذریعے توسلاً اور توجہاً، سب صورتیں ''جاءُوْک'' کے تحت واسطۂ رسالت ﷺ کی تعبیریں ہیں کیونکہ

یہ گھر یہ دَر ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے
مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے!
مجرم بلائے، آتے ہیں ''جَاءُوْکَ'' ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

یہ آیتِ کریمہ صرف آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری تک محدود نہیں بلکہ بعد از وصال بھی اس کا حکم اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہری حیاتِ طیبہ میں تھا۔ مفسرینِ کرام اور ائمہ حدیث نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ (اس کی تفصیل ہماری کتاب عقیدۂ توسّل میں ملاحظہ کریں۔)

قابلِ غور نکتہ

یاد رہے کہ اس آیتِ کریمہ میں ظلم سے مراد گناہ، نافرمانی اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی ہے۔ ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں گویا مرادی معنی یہ ہوا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیں تو معافی کے لئے تیرے پاس آئیں۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس کو ناراض کیا گیا اب راضی کرنے بھی اس کی بارگاہ میں جانا چاہیے مثلاً اگر کوئی زید کو ناراض کردے اور معافی مانگنے کے لئے بکر کے پاس چلا جائے تو کیا زید اس کو معاف کردے گا؟ ہرگز نہیں۔ لیکن اُس دنیائے محبت کے تو اصول وقواعدی ہی نرالے ہیں فرمایا:

''جَاءُوْکَ''محبوب !اگر وہ مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے طلب گار ہیں تو تیرے پاس آئیں اور پھر فرمایا: فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ جب آ جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ یہاں کوئی سوچ سکتا تھا کہ باری تعالیٰ اگر معافی ہی لینی تھی تو وہ گھر بھی مانگی جاسکتی تھی۔ وہ کسی مسجد میں بھی تجھ سے طلب کی جاسکتی تھی، بلکہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام سے بڑھ کر اور کون سا مقام ہوگا۔ لیکن تو نے اس رسول ﷺ کی بارگاہ میں پابندی کیوں لگائی؟ حالانکہ تو تو ہر جگہ اپنے بندوں کی دعا سنتا ہے کیونکہ تو نے خود ہی تو فرمایا ہے:

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَo[1]

''اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پاجائیںo''

پھر تیرا یہ بھی فرمان ہے کہ:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِo[2]

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیںo''

اس کے باوجود معافی کے لئے گناہگاروں کو اس رسول ﷺ کے دَر پر کیوں بلاتا ہے؟ تو فرمایا تمہیں یہی سبق سکھانا مطلوب تھا کہ:

بخدا خدا کا یہی ہے دَر، نہیں اور کوئی مفر مقر!
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(۱) البقرہ، ۲: ۱۸۶

(۲) ق، ۵۰: ۱۶

فصل سوُم

وسائط کی اَقسام

www.MinhajBooks.com

ایمان کا اساسی اور بنیادی تصور یہ ہے کہ توحید و رسالت ایک ہی نور کی دو شعاعیں ہیں۔ یہ دونوں انوار ایک ہی منبع و سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں۔توحیدِ باری تعالیٰ تک رسائی واسطۂ رسالت ﷺ ہی سے ممکن ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم قدرے تفصیل سے اس حقیقت پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ درِ رسالت ﷺ پر پہنچے بغیر عقیدۂ توحید کا دعویٰ خام، بے بنیاد اور غیر معتبر ہے۔ واسطۂ نبوت و رسالت کے بغیر نہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہے نہ اس کی اُلوہیت کا، نہ اس کی وحدانیت کا اور نہ ربوبیت کا۔ واسطۂ رسول ﷺ کے بغیر نہ تو خدا کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور نہ دینِ حق کی ہدایت، الغرض واسطۂ نبوت کے بغیر معبودِ حقیقی کی پہچان اور معرفت حاصل کرنے کی کوشش بھی محض ضلالت و گمراہی ہے۔ اگر دین سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کا واسطہ الگ کر دیا جائے تو اہلِ اسلام کے پاس نہ وجودِ باری تعالیٰ کا اِیقان باقی رہ جاتا ہے اور نہ ہی توحیدِ اُلوہیت کی یقینی تصدیق۔ اس طرح نہ قرآن کے وحی ہونے کی کوئی حتمی سند باقی رہتی ہے اور نہ اسلام کی صحت وحقانیت کی قطعی دلیل۔

تفہیمِ وسائط کے ذیل میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے درمیان بعض معاملات اور اُمور ایسے ہیں کہ ان کی نسبت بھی الگ نہیں اور شرعاً ان کا حکم بھی الگ نہیں۔ ان میں صرف لفظی ثنویت ہے معنوی نہیں، صرف لفظی غیریت ہے حکمی نہیں۔ یعنی ان کے درمیان اشتراک اتنا قوی اور اقرب ہے کہ وہ حکمِ وحدت کے ذیل میں آتے ہیں اور وہ اشتراک صفت مشترک نہیں بلکہ محض درمیان کے واسطے ہوتے ہیں۔کبھی رسول ﷺ کا اسمِ گرامی لیا جاتا ہے اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مقصود ہوتی ہے لہٰذا یہ طے شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اگر درمیان سے نکال دی جائے تو

دینِ اسلام کی عمارت دھڑام سے نیچے گر جائے گی اور انسان محض ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔ جیسا کہ گزشتہ فصل میں واضح ہوگیا ہے کہ نبوت و رسالت خود بندے اور خدا کے درمیان واسطے کا نام ہے۔ انبیاء و رسل علیھم السلام کی بعثت دراصل اللہ تعالیٰ کا اپنے اور بندے کے درمیان واسطہ مقرر کر دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ خود احکامِ الٰہی کی پیروی کیلئے واسطہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلام کے رد و قبول کیلئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور حیاتِ طیبہ کو ہی حتمی معیار اور کامل دلیل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○[1]

”بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے ○“

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے تعلقِ محبت و اطاعت اُستوار کرنے کیلئے واسطۂ رسالت ناگزیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اُستوار کرنے کیلئے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ہی واسطہ بنتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہے، یہ تساوی نہیں بلکہ توحید ہے، شرک نہیں بلکہ اشتراک ہے۔ یہ حکمی وحدت منافئ توحید نہیں بلکہ عینِ توحید ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے وسائط نہ صرف یہ کہ کلی و حتمی جواز رکھتے ہیں بلکہ شرعی احکام و فرامین کی تعمیل کے لئے انتہائی ضروری اور ناگزیر ہیں۔ ان میں سے بعض فرض، واجب، سنت مؤکدہ یا سنت غیر موکدہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ وسائط کی چند معروف اقسام درج ذیل ہیں:

۱۔ واسطۂ ایمان
۲۔ واسطۂ محبت
۳۔ واسطۂ تعظیم
۴۔ واسطۂ حرمت
۵۔ واسطۂ اطاعت
۶۔ واسطۂ حکم

(۱) یونس، ۱۰: ۱۶

۷۔ واسطۂ توجہ
۸۔ واسطۂ ابلاغ
۹۔ واسطۂ علم
۱۰۔ واسطۂ رضا
۱۱۔ واسطۂ توسل
۱۲۔ واسطۂ تبرک
۱۳۔ واسطۂ استعانت
۱۴۔ واسطۂ عطا
۱۵۔ واسطۂ شفاعت
۱۶۔ واسطۂ ہدایت
۱۷۔ واسطۂ بیعت
۱۸۔ واسطۂ افعال
۱۹۔ واسطۂ ولایت
۲۰۔ واسطۂ اذیت
۲۱۔ واسطۂ مخالفت
۲۲۔ واسطۂ نصرت
۲۳۔ واسطۂ تعبُّد

مندرجہ بالا اقسام میں سے صرف ایک آخری قسم واسطۂ تعبد واسطۂ شرکیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت خواہ تقرب الٰہی کے لیے کیوں نہ ہو شرک ہے۔ باقی سارے واسطے مختلف جہتوں سے حضور نبی اکرم ﷺ سے اور کبھی اولیاء اللہ سے اُستوار ہوتے ہیں۔ جیسے واسطہ ولایت، واسطہ حرمت و تعظیم وغیرہ۔ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے جونہی واسطہ کا لفظ آتا ہے تو اسے شرک قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔ دراصل یہ مغالطہ حقوقِ توحید اور حقوقِ رسالت نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ مطلقاً واسطہ کا انکار کر دینا سراسر غلط اور نصِ صریح کا انکار ہے جو انکارِ رسالت ﷺ کے ذریعہ کفر کی طرف لے جاتا ہے۔

ذیل میں ہم مندرجہ بالا وسائط کی مختصراً وضاحت پیش کرتے ہیں تاکہ ہر ایک کی اہمیّت سمجھ میں آجائے۔

۱۔ توحید اور واسطۂ ایمان

معرفت باری تعالیٰ اور اتباع و اطاعتِ رسول ﷺ کے لئے ایمان ایک بنیادی واسطہ ہے۔ یہ واسطہ ہمیں اللہ ﷻ کے محبوب رسول حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے

نصیب ہوا ہے۔ صحیح عقیدۂ توحید تب متحقق ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، یوم آخرت پر، جنت اور جہنم پر اور اچھی اور بری تقدیر پر کامل ایمان لایا جائے۔

واسطۂ ایمان کا حقیقی تصور

ایمان سب سے بلند عملِ صالح اور عظیم ترین واسطہ اور وسیلہ ہے۔ اس سے کوئی عمل اونچا نہیں کیونکہ عمل خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، جب تک عمل کرنے والے کے اندر مضبوط ایمان نہ ہوگا اس کا عمل بے کار اور لغو و باطل ہو جائے گا یعنی نجاتِ اُخروی اور اعمال کے ہر اجر و ثواب کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لازمی اور مقبول ترین واسطہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ز غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ (۱)

’’(وہ) رسول ﷺ اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہلِ ایمان نے بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (نیز کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے، اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے ہیں: ہم نے (تیرا حکم) سنا اور اطاعت (قبول) کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور (ہم سب کو) تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۵

۲۔ پھر سورہ النساء میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًام بَعِیْدًا ○(۱)

’’اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ، اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو بیشک وہ دور دراز کی گمراہی میں بھٹک گیا○‘‘

۳۔ سورۃ الفتح میں عدمِ ایمان کی صورت میں عذاب کی وعید سنائی، ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ○(۲)

’’اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے○‘‘

معلوم ہوا کہ واسطۂ ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا اور نہ اِس کے بغیر قرآن، اِسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی معرفت ممکن ہے۔ ایمان جب دل میں سرایت کر جاتا ہے تو زبان اور اعضاء و جوارح سے اس کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور بندہ ایسے اعمال بجا لاتا ہے جس سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ توحید اور واسطۂ محبت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تکمیل ایمان کا ضروری تقاضا ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۱۳۶

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۳

از روئے قرآن سچا مؤمن وہ ہے جو اللہ رب العزت سے سب سے بڑھ کر محبت کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (۱)

''اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ''اللہ سے محبت'' جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

آیات ربانی اور احادیث رسول اکرم ﷺ سے یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اتباع رسول ﷺ میں مضمر ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے۔

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (۲)

''(اے حبیب!) آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنالے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا اور مہربان ہے○''

ذاتِ رسالتمآب ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر کوئی شخص کامل مومن ہو جائے، ایں خیال است و محال است و جنوں والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہر اہلِ ایمان کے لئے سرمایہ ہدایت ہے کہ اگر کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ میرے محبوب ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو اپنا شعارِ حیات بنائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو میں اسے اپنا محبوب بنا لوں گا۔

۳۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے واسطۂ محبت کا تذکرہ یوں فرمایا:

(۱) البقرہ، ۲: ۱۶۵
(۲) آل عمران، ۳: ۳۱

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○[1]

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا○‘‘

اس آیتِ مبارکہ کے آخری حصہ میں تین محبتوں کا ذکر ہے:

۱۔ محبتِ الٰہی

۲۔ محبت رسول ﷺ

۳۔ محبت دین و جہاد

ان تینوں محبتوں کو ایک تسلسل میں بیان کیا گیا ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت پھر حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آخر میں نصرت دین کے لئے جہاد سے محبت۔ یہ تینوں محبتیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ایمان کے استحکام کے لئے واسطہ ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت شرک ہوتی تو وہ عبادت کی طرح محبت کو بھی اپنا اختصاصی و امتیازی حق قرار دے دیتا لیکن اس نے کہیں ایسا نہیں فرمایا، بلکہ محبت کے باب میں صراحت کے ساتھ تینوں یعنی اللہ، ذاتِ محمدی ﷺ اور مومنین کو محبت کا

(۱) التوبہ، ۹: ۲۴

حقدار وسزاوار ٹھہرایا اور فرمایا ہے کہ اگر اہلِ ایمان میں کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے محبوب رسول ﷺ کی محبت کو اپنا منتہائے مقصود بنالے، اسے میری محبت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ محبت کا حق، عبادت کی طرح صرف اللہ تعالیٰ کا اختصاصی حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اہلِ اللہ سب کے ساتھ محبت، چاہت اور اپنائیت کے تعلقات و روابط استوار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس تعلق کی استواری کو خلقِ خدا کی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ يَومَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي. (۱)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: کہاں ہیں میری عظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تاکہ میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں کیونکہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔''

۲۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ لِلهِ، وَأَبْغَضَ لِلهِ، وَأَعْطَى لِلهِ، وَ مَنَعَ لِلهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيْمَانَ. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فی فضل الحب فی اللہ، ۴:۱۹۸۸، رقم: ۲۵۶۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۳۷، رقم: ۷۲۳، ۸۴۳۶، ۸۸۱۸، ۱۰۷۹۰، ۱۰۹۲۳

(۲) ۱۔ أبوداؤد، السنن، کتاب: السنة، باب: الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه ۴:۲۲۰، رقم: ۴۶۸۱

۲۔ حاکم، المستدرك، ۲:۱۷۸ رقم: ۲۶۹۴

۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹:۴۱، رقم: ۹۰۸۳

’’جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی، اللہ تعالیٰ کے لئے عداوت رکھی، اللہ تعالیٰ کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دینے سے ہاتھ روک لیا پس اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ. فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ.(۱)

’’جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر حکم فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تو بھی اس سے محبت کر پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین والوں (کے دلوں) میں بھی اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو محبت کا حکم دیا۔ محبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم و اہلِ بیت، محبتِ ’’پنج تن پاک‘‘ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین اور حضرت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب: بدء الخلق، باب: ذِکرِ المَلَائِکَةِ، ۳: ۱۱۷۵، رقم: ۳۰۳۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب: البر والصلة والآداب، باب: إذا احب الله عبداً، حببه إلى عباده، ۴: ۲۰۳۰، رقم: ۲۶۳۷

۳۔ مالك، الموطأ، کتاب الشعر، باب: ماجاء فی المتحابین فی الله، ۲: ۹۵۳، رقم: ۱۷۱۰

علی ﷺ) محبتِ اولیاء، محبتِ اہل اللہ اور محبتِ صالحین کے بارے متعدد احادیثِ مبارکہ مروی ہیں، ائمہ حدیث نے کتبِ احادیث میں الحب فی اللہ کے عنوان سے ابواب قائم کر کے اس موضوع کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ جبکہ حدیثِ قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی ایک دوسرے سے محبت، تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہوتی ہے اور ان میں قدر مشترک میری ذات سے محبت ہے۔

لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ آپ کے اہلِ بیت اطہار اور اولیاء وصلحاء کرام سے محبت شرک نہیں کیونکہ اس محبت کی اساس حضور ﷺ کے واسطۂ محبت پر استوار ہے جو محبت الٰہی کا واسطہ ہے۔

۳۔ توحید اور واسطۂ تعظیم

قرآن وسنت کی بے شمار نصوصِ قطعیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ انبیاء و رسل عظام کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کے ساتھ ساتھ ان کی تعظیم و توقیر بھی واجب ہے۔ بالخصوص اللہ تبارک و تعالیٰ نے مالک و مولا اور خالق کائنات ہونے کے باوجود بھی خود اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ کے آداب سکھائے، اونچا بولنے سے منع کیا اور لاپرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا۔ خلاف ورزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور ساری محنت و کمائی پر پانی پھیر دینے کی وعید سنائی۔ آپ ﷺ کے صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذا پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا۔ کہیں آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کیفیتِ خطاب و نداء سے آگاہ فرمایا اور کبھی آپ ﷺ کے بلاوے کی اہمیت اور فوری حاضری کے وجوب کو بیان کیا اور تغافل و لاپرواہی کے امکانات کا سدّ باب کیا۔

قرآن وسنت کی ان تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور بلندیٔ مقام کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ ﷺ سے کما حقہ مستفیض

ہوسکیں اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر، اطاعت واتباع اور معیت ومحبت کو شرک کے زمرے میں شامل کر کے منافیٔ توحید نہ سمجھیں۔ پس انبیاء کرام اولیاء عظام صالحین اور شعائر اللہ کی تعظیم شرعاً عملِ صالح ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا ذریعہ ہے۔

کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افعال جو بزرگوں کی تعظیم پر مبنی ہوں وہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل ہے اور کسی طرح بھی توحید سے متعارض و متصادم نہیں اِس لئے یہ ہرگز شرک کے دائرے میں نہیں آتے۔ (توحید اور تعظیم پر تفصیلی بحث ہم باب اوّل میں کر چکے ہیں۔

۴۔ توحید اور واسطۂ حرمت

اللہ رب العزت کی ذات ہی انتہائی تعظیم اور عبادت کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت شرک ہے لیکن انبیاء علیہم السلام ادب واحترام اور تعظیم وتکریم شرک نہیں بلکہ یہ فرائض دینی میں سے ہے۔ اور شرعاً واجب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی نسبت کی حرمت بھی واجب اور ایمان کا حصہ ہے۔ توحید کا تقاضا ہے کہ ان چیزوں کا بھی دل و جان سے احترام واکرام کیا جائے جو اللہ رب العزت کو محبوب ہیں۔ اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم السلام اور ان کی نسبت سے بعض مقدّس مقامات و اماکن اور آثار وتبرکات کا دل و جان سے ادب و احترام اور محبت وعقیدت قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہے۔ مثلاً

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے شہرِ مکہ کی حرمت، اس کے گلی کوچوں کی حرمت، اس کے جانوروں اور درختوں کی حرمت واجب ہے۔

۲۔ اسی طرح مدینہ منورہ کو جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی نسبت سے حرم بنا دیا تو اب وہاں کے درختوں کی تعظیم، گلی کوچوں کی تعظیم، اور در و دیوار کی تعظیم بھی

بعینہ واجب ہوگئی۔

۳۔ عام جگہوں پر پتھروں کو قابلِ تعظیم نہیں سمجھا جاتا مگر اہلِ ایمان جب حجِ بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں تو حجرِ اسود کو تعظیماً چومتے ہیں۔ کیونکہ حجرِ اسود کی تعظیم واجب ہے۔

۴۔ اسی طرح حجاجِ کرام مقامِ ابراہیم کی تعظیم کرتے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس کی تعظیم بھی واجب ہے۔

۵۔ حجاج کے لئے رکنِ یمانی کو دورانِ طواف چھونا مناسکِ حج کا حصہ ہے۔

۶۔ طوافِ کعبہ اور کعبہ کی حد درجہ تعظیم توحید کا حصہ ہے۔

۷۔ کعبہ کے صحن حتیٰ کہ غلافِ کعبہ کی ادباً تعظیم اور حرمت ملحوظ رکھنا لازمی امر ہے۔

۸۔ آبِ زمزم پینے کے لئے تعظیماً قیام کیا جاتا ہے جو کہ سنت ہے، یہ تعظیم ہے عبادت نہیں جبکہ آبِ زم زم کے علاوہ کسی اور مشروب کو بیٹھ کر پینا سنت ہے۔

۹۔ حجاج سعی کے ذریعے صفا و مروہ پہاڑیوں کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ یہ شعائر اللہ ہیں، ان کا ادب و احترام شرعاً تعظیم تو ہے مگر یہ ان پہاڑیوں کی عبادت نہیں۔

۱۰۔ اہلِ ایمان قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ وہ شعائر اللہ ہیں جانوروں کی اس تعظیم کو عبادت نہیں سمجھا جاتا۔

واسطۂ حرمت کا شرعی ثبوت

واسطۂ تعظیم و حرمت کا جواز متعدد قرآنی آیات سے ثابت ہے اس پر تفصیلی بحث ہم اسی کتاب کی جلد اوّل ''باب توحید فی التحریمات'' میں کر چکے ہیں۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الحج میں شعائر اللہ کی تعظیم اور حرمت کو تقویٰ کا واسطہ قرار دیا، ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○(۱)

''اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو۔''

قرآن حکیم کی آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حرمت، تحریم اور توقیر وتکریم میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں اور نہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ ہم کئی چیزوں کی ازروئے شرع حرمت و تعظیم بجالاتے ہیں مثلاً حرمین شریفین شہر مکہ و مدینہ کا ادب و احترام، حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کی حرمت و تعظیم، قرآن کے مقدس اوراق کا ادب، اسی طرح مسجدوں کے در و دیوار کی تعظیم، پتھروں کی تعظیم الغرض جس مقدس چیز سے جب بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی نسبت ہو گئی ان سب سے ادب و احترام کا تعلق واسطۂ حرمت ہے جو شرعاً جائز اور ثابت ہے۔ اور یہی واسطہ حصولِ تقویٰ کا باعث بھی ہے۔

۵۔ توحید اور واسطۂ اطاعت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کے درمیان اطاعت کا تعلق ایک ایسا واسطہ ہے جس میں حکمی وحدت ہے۔ اس واسطہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ دونوں کی اطاعتیں ایک ہی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ○(۲)

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

(۲) الانفال، ۸: ۲۰

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ تم سن رہے ہوo''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعتوں کا ذکر ہے لیکن روگردانی کو ایک قرار دیا ہے فرمایا: وَلَا تَوَلَّوْ عَنْهُ ''اس سے روگردانی مت کرو'' اگر دونوں اطاعتیں الگ الگ ہوتیں تو ضمیر ''عنهما'' استعمال ہوتا لیکن عَنهُ سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ایک ہی ہے۔ اس لئے اس سے روگردانی اور نافرمانی کو بھی ''عَنْهُ'' کہہ کر ایک ہی روگردانی قرار دیا گیا اسے ''حکمی وحدت'' کہتے ہیں۔ اس کی مزید تائید اللہ رب العزت کی اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے، فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًاo (۱)

''جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجاo''

قرآن مجید میں درجنوں مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ''وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' اور وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ'' کے الفاظ کے ساتھ یکجا ہوا ہے جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دونوں اطاعتیں ایک ہی ہیں۔ چونکہ آقائے دوجہاں حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی، حق اور باطل کے مابین معیارِ حق اور حدِ فاصل کا درجہ رکھتی ہے اس لئے آپ ﷺ کو واسطۃ الاطاعۃ بنایا گیا۔ احکامِ شریعت پر عمل درآمد اور عبادات کی قبولیت کے لئے آپ ﷺ کی سنت اور طرزِ عمل کو نمونہ قرار دیا گیا جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اور کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱ھ ـ ۷۲۸ھ) نے اس موضوع پر بہت عمدہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وأن جهة حرمة الله تعالىٰ و رسوله جهة واحدة فمن آذى الرسول

(۱) النساء، ۴: ۸۰

فقد آذی اللہ ومن أطاعہ فقد أطاع اللہ لأن الأمۃ لا یصلون ما بینھم و بین رَبّھم إلا بواسطۃِ الرّسول، لیس لأحدٍ منھم طریق غیرہ ولا سبب سواہ۔[1]

''اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کی جہت ایک ہی ہے۔ لہٰذا جس نے رسول ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت کے تعلق باللہ کا رشتہ صرف رسول ﷺ کے واسطہ سے استوار ہوسکتا ہے کسی کے پاس بھی اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ یا راستہ نہیں۔''

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے فیض و برکت حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے ذاتِ رسالتمآب ﷺ کے اور کوئی نہیں آپ ﷺ کا واسطہ اُمت کے لئے ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام وفرائض اور اس کی عنایات و نوازشات کے حصول کا ذریعہ واسطۂ رسالتِ محمدی ﷺ ہی ہے۔ آپ ﷺ کی وساطت سے لوگوں کو علم وحکمت و ہدایت، راہنمائی میسر آتی ہے اور یہی واسطۃ الاطاعۃ ہے۔

۶۔ توحید اور واسطۂ حکم

احکامِ شریعت کے بنیادی مآخذ دو ہیں:

(۱) قرآن (۲) سنت

قرآن وحی جلی پر مشتمل کلامِ الٰہی ہے جبکہ سنت، حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل پر مشتمل احکامات کا نام ہے جسے وحی خفی قرار دیا گیا ہے۔ دونوں کے احکامات پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ جس طرح اللہ رب العزت نے مخلوق کے لئے احکام عطا کئے اسی طرح اس کے رسول ﷺ نے بھی اُمت کے لئے چیزوں کو حلال اور حرام قرار دیا۔ گویا اللہ رب العزت نے رسول ﷺ کے حکم کو اپنا حکم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

(۱) ابن تیمیۃ، الصارم المسلول: ۴۶

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (۱)

’’اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا○‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیت سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ کیونکہ اختلافات میں حقیقی فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی فرمانے والا ہے لیکن اس نے اپنے نبیوں کو فیصلہ کا واسطہ اور ذریعہ بنا کر بھیجا تاکہ وہ اس کا قائم مقام بن کر ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کے درمیان حکم یعنی فیصلہ صادر کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔ یہ واسطۂ حکم ہے جس کا استشہاد درج ذیل آیاتِ مقدسہ سے ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (۲)

’’پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں○‘‘

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۳۶

(۲) النساء، ۴: ۶۵

۲۔ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○(۱)

''اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ (دربارِ رسالت ﷺ میں آنے سے) گریزاں ہوتا ہے○''

۳۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○(۲)

''ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم (سراپا) اطاعت پیرا ہو گئے، اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں○''

ان آیات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں تو ان لوگوں کو دربارِ رسالتمآب ﷺ میں بلایا گیا تھا اور فیصلہ بھی آپ ﷺ نے فرمانا تھا لیکن اللہ رب العزت رسول ﷺ کے بلاوے اور حکم کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ درحقیقت حکمِ رسول ﷺ بھی حکمِ الٰہی ہے۔ گویا رسول ﷺ کا حکم، بارگاہِ الٰہی کے لئے واسطہ ہوگیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم تحلیل وتحریم بھی ایک ہے۔ ارشاد فرمایا:

۴۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

(۱) النور، ۲۴: ۴۸

(۲) النور، ۲۴: ۵۱

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ○(۱)

''(اے مسلمانو!) تم اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ (بھی) جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دینِ حق (یعنی اسلام) اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ (حکم اسلام کے سامنے) تابع و مغلوب ہوکر اپنے ہاتھ سے خراج ادا کریں○''

جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں 'حکمی وحدت' ہے اسی طرح رسول ﷺ کے فیصلہ کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اور تحریم و تحلیل کا اختیار بھی رسول ﷺ کو تفویض فرما کر اپنے اور رسول ﷺ کے درمیان ایک واسطہ اور تعلق قائم کر دیا۔ پس اب رسول ﷺ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا اقرار اور رسول ﷺ کے حکم کا انکار خارجی وطیرہ ہے۔ جب اللہ رب العزت نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان واسطۂ حکم قائم کیا تو کسی اور کو ان میں کسی قسم کی تفریق کی کوئی اجازت نہیں۔

۷۔ توحید اور واسطۂ توجہ

اللہ رب العزت کی ذات ہر سمت جلوہ گر ہے۔ وہ تمام سمتوں کا خالق ہے۔ اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے وہ کسی خاص سمت کا محتاج نہیں۔ یہ اسی کا فرمان ہے:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ○(۲)

''اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے، پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی

(۱) التوبة، ۹: ۲۹

(۲) البقرة، ۲: ۱۱۵

اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے) بیشک اللہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہےo‘‘

اس ارشاد گرامی کے باوجود اس نے اپنی عبادت کے لئے کعبہ کی سمت مقرر کر دی۔ تمام مسلمانانِ عالم بوقتِ نماز کعبہ کی طرف منہ کر کے نیت کرتے ہیں: ’’میں کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کر کے اللہ کے لئے نماز ادا کرتا ہوں۔‘‘ یوں وہ نماز کے دوران توجہ الی الکعبۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ کعبہ رخ ہو کر سجدہ کرنا کعبہ کے لئے نہیں بلکہ رب کعبہ کے لئے ہوتا ہے۔ کعبہ کی سمت منہ کر کے کھڑے ہونا محض واسطۃ التوجہ اور واسطۃ الاستقبال ہے۔ غالب کا شعر ہے:

حدِ ادراک سے پرے ہے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لئے شرط لگا دی کہ واسطۂ رسالت ہو گا تو میں عبادت قبول کروں گا اسی طرح اس نے اپنی عبادت، نماز کی ادائیگی کے لئے توجہ الی الکعبۃ کی شرط عائد کر دی کہ اگر عبادت گزار کا چہرہ کعبہ کی طرف ہو گا تو نماز قبول ہو گی ورنہ نہیں۔ کوئی شخص سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۱۱۵ سے استدلال کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سنگ و خشت سے بنے ہوئے گھر کی ضرورت نہیں اس کی ذات تو ہر سمت جلوہ گر ہے لہٰذا میں جس طرف چاہوں رخ کروں۔ وہ سمتوں کا محتاج نہیں۔ بے شک وہ کسی سمت کا محتاج نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ تمام سمتوں کا خالق بھی وہی ہے اور تمام سمتیں اسی کے لئے ہیں۔ سمتوں کی محتاج تو مخلوق ہے۔ اگر یہ اس کی مشیت میں ہوتا تو وہ ایسا اہتمام کر سکتا تھا کہ سمت کعبہ کی بجائے مسلمان جس طرف چاہیں رخ کر کے نماز پڑھیں مگر اس پر قادر مطلق ہونے کے باوجود اس کے واسطہ توجہ قائم کیا اور تمام مسلمانوں کو کعبہ کی سمت توجہ کرنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ق

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (۱)

''اور تم جدھر سے بھی (سفر پر) نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف پھیر لو، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی سمت پھیر لیا کرو تاکہ لوگوں کے پاس تم پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں حد سے بڑھنے والے ہیں، پس تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرا کرو، اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم کامل ہدایت پا جاؤ ○''

اب اگر کوئی شخص کعبہ سے رخ ہٹا کر کسی اور سمت ساری زندگی نماز پڑھتا رہے تو ہرگز قبول نہ ہوگی۔

۳۔ اسی طرح جب حجاج دورانِ طواف مقامِ ابراہیم کے پاس اس کی طرف توجہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو ان کا مقامِ ابراہیم کی طرف متوجہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط (۲)

''اور (ہم نے حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنالو۔''

ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لئے سمت کا تعین لازمی قرار دیا ہے، وہ اپنی عبادت بغیر واسطۂ جہت کے قبول نہیں کرتا۔ فرائض، واجبات، سنن اور نوافل کی ادائیگی کے لئے کعبہ کی طرف اس کی عبادت کی خاطر متوجہ ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم اس کے بنائے ہوئے ضابطوں کی تعمیل اور تقاضوں کے مطابق ایک خاص سمت اپنا رخ کریں۔ تبھی وہ ہماری عبادت قبول کرے گا۔ اس نے اپنے گھر یعنی کعبہ کو ہمارے اور اپنے درمیان واسطۃ التوجہ بنا دیا ہے اب اس کی طرف رخ کئے بغیر ہماری کوئی عبادت قبول نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ واسطہ ناگزیر ہے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۵۰
(۲) البقرۃ، ۲: ۱۲۵

۸۔ توحید اور واسطۂ اِبلاغ

واسطۂ اِبلاغ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنا پیغام براہِ راست بغیر واسطہ کے بندوں تک نہیں پہنچایا بلکہ اس نے اپنا پیغام بندوں کو پہنچانے کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام کو واسطہ بنایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے وہ رسولوں کا محتاج ہے؟ کیا وہ براہِ راست اپنا پیغام نہیں بھیج سکتا؟ اگر وہ بھیج سکتا ہے تو پھر اس نے رسول ﷺ کو واسطة بين العبد و الرب، واسطة بين الخالق و المخلوق اور واسطه بين العبد و المعبود کیوں بنایا؟ جبکہ وہ براہِ راست ہر ایک کو یہ شعور دینے پر بھی قادر تھا کہ یہ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ خالق ہے، بديع السمٰوٰت والارض ہے، وہ عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے اور کُنْ فَیَکُوْن کی شان کا مالک ہے:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی علیہ السلام کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ اُمت کو نماز اور دیگر عبادات کا نمونہ بتا سکے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ نمونہ بھی ان کے ذہن میں القا کر دیتا؟ نماز کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا جاتا کہ نماز کس طرح ادا کرنی ہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست شعور دے دیا جاتا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا تو وہ ان کا محتاج نہیں تھا اور یہ بات بھی نہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں تھی اس لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا پڑا۔ وہ چاہتا تو شعور بھی اور نورِ فہم بھی دے دیتا۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں (فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ) اور (عَلٰی کُلِّ شَئٍ قَدِیْر) بھی اسی کی شان ہے، وہ کسی سے بھی پیغام رسانی کا کام لے سکتا تھا لیکن قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اس نے یہ دستور مقرر کیا کہ کبھی اپنا پیغام براہِ راست ہر کس و ناکس کو نہیں پہنچایا۔ اس نے اس کام کے لئے اپنے انبیاء و رسل کو واسطہ اور ذریعہ مقرر کیا جنہوں نے واسطہ وحی سے احکام الٰہی پا کر انہیں آگے لوگوں تک پہنچانے

کا فریضہ سرانجام دیا۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا۔ (۱)

''وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا۔''

۲۔ براہ راست اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی بجائے اس نے واسطۂ رسالت ﷺ کو مقرر کیا ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ط وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ○ (۲)

''اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا ○''

لہٰذا واسطہ مقرر کرنا خود اللہ تعالیٰ کا دستور اور سنت ہے۔ اس کا شرک سے کوئی تعلق نہیں۔

۹۔ توحید اور واسطۂ علم

ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔ وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی فرد اپنی ذاتی استعداد

(۱) الجمعة، ۶۲: ۲

(۲) المائدة، ۵: ۶۷

سے اُمورِ غیبیہ پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ رب ذوالجلال اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔ یعنی انبیاء علیھم السلام کے لئے عطا و اطلاع ثابت و جائز ہے۔ انبیاء و رسلِ عظام علیھم السلام کے واسطۂِ علم کا انکار ضلالت و گمراہی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اگر انبیاء کرام علیھم السلام کو علمِ غیب عطا نہ ہو تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔ نبوت کا تو معنی ہی غیب پر مطلع ہونا ہے۔ نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب انبیاء و رسل علیھم السلام کو عطا فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ ﷻ نے دیگر انبیاء علیھم السلام سے بڑھ کر علمِ غیب کے خزانے عطا فرمائے ہیں۔ اسی طرح متعدد احادیثِ مبارکہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث اسی کتاب کی پہلی جلد ''اقسام التوحید'' کے ذیل میں **توحید فی العلم** میں گزر چکی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○(۱)

''اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (ازخود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر (یہ کہ) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی (ایسا) دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے) ○''

(۱) الانعام، ۶: ۵۹

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْکَ الْکِتٰبَ تِبْيَانًا لِّکُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِيْنَ○(۱)

''اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے○''

اس طرح کی تمام آیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ علمِ نبوت کا منبع وحی الٰہی ہے۔ جب قرآن میں تمام علوم و معارف درج ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام علوم و معارف کے خزانے عطا فرمائے اب ہمارے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ علوم و معارف نبوت کا اقرار ہی حصولِ ہدایت کے لئے عظیم واسطہ ہے۔

۱۰۔ توحید اور واسطۂ رضا

حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا اور خوشنودی جزوِ ایمان ہے۔ آپ ﷺ کی رضا، رضائے الٰہی کا واسطہ ہے۔ اس حقیقت سے کوئی بندۂ مومن اِنکار نہیں کر سکتا کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و رضا ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا اور الگ الگ تصور کیا جائے تو اس کا نتیجہ ایمان کی بربادی کی صورت میں نکلے گا۔ اللہ ﷻ خود اپنے محبوب نبی ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا. (۲)

''(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ

(۱) النحل، ۱۶: ۸۹

(۲) البقرہ، ۲: ۱۴۴

رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔‘‘

سورۃ الضحیٰ میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى○(۱)

’’اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے○‘‘

یہ بات بھی نصِ صریح سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یعنی ان دونوں میں بھی حکمی وحدت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ج وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ○(۲)

’’مسلمانو! (یہ منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)○‘‘

آیتِ بالا کے الفاظ يُرْضُوْهُ میں ’’هُ‘‘ ضمیرِ واحد ہے، حالانکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کی رضا کا بیان ہے۔ عربی زبان میں دو کے لئے ضمیر کا صیغہ واحد نہیں بلکہ تثنیہ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ کی رو سے یہاں ’’هُ‘‘ کی بجائے ’’هُمَا‘‘ ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ مقصودِ بیان یہ باور کرانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

(۱) الضحی، ۹۳: ۵

(۲) التوبة، ۹: ۶۲

میں دوئی نہیں ان کی رضا ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ اس کے رسول ﷺ کا راضی کرنا اُسے راضی کرنا ہے پس ''ہٗ'' ضمیرِ واحد لا کر وحدتِ رضا کا تصور دیا گیا تو ثابت ہوا کہ رضائے رسول ﷺ رضائے الٰہی ہے اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی انحراف عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ رضائے رسول ﷺ ہی رضائے الٰہی کے لئے واسطہ و وسیلہ ہے۔ اگر کوئی شخص رضائے رسول ﷺ کو نظر انداز کر کے رضائے الٰہی کے حصول کا طلب گار ہو تو شرعاً اس کا یہ عمل قابلِ قبول نہیں بلکہ ایسا شخص زمرۂ منافقین میں شمار ہوگا کیونکہ درِ رسول ﷺ سے رُوگردانی بارگاہِ الٰہی سے رُوگردانی ہے۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ نے اپنی رضا کے حصول کے لئے حضور نبئ اکرم ﷺ کی رضا کو واسطہ قرار دیا ہے۔

۱۱۔ توحید اور واسطۂ توسل

عقیدۂ توسُّل نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ اس لیے اس کے شرعی جواز کے بارے میں مطلقاً انکار آیاتِ قرآنی سے انکار کے مترادف ہے۔ رضائے اِلٰہی اور عطائے اِلٰہی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کا توسل پیش کرنا ایک ایسا مشروع، مباح اور جائز طریقہ ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مقرّب و معزز بندوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا ہے تا کہ دعاؤں کی جلدی قبولیت کو ممکن بنایا جا سکے۔ قرآنِ حکیم اور اَحادیثِ مبارکہ میں ایسے بہت سے دلائل موجود ہیں جو نہ صرف وسیلہ کا جواز فراہم کرتے ہیں بلکہ اِس اَمر کو بھی واضح کرتے ہیں کہ حضور تاجدارِ کائنات ﷺ، دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے توسّل سے دعا کرنا اَقرب اِلی الاِجابت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اِس اَمر کا پابند نہیں کہ قبولیتِ دعا کے لیے کسی اور کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ وہ بلا واسطہ اپنے بندوں کی دعائیں سننے، قبول کرنے اور لطف و کرم سے نوازنے پر قادر ہے۔ لیکن یہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ بہت سے نفوسِ قدسیہ اور اُمورِ صالحہ جو اُسے پسند اور محبوب ہیں اِن کی نسبت سے نہ صرف یہ کہ عمل بابرکت ہو جاتا ہے بلکہ دُعا کی قبولیت کا درجہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

یہ مبارک عمل حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر عہد رسالت مآب ﷺ تک اور پھر عہد صحابہ و تابعین سے لے کر تا حال اُمت میں مقبول اور متداول چلا آ رہا ہے۔ اب بعض لوگ دین کی صحیح معرفت نہ ہونے کے باعث اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) توحید کے منافی سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بات بات پر کفر و شرک کے فتوے جاری کرنے کی بجائے احکام شریعت کی حقیقی روح کو سمجھا جائے۔

بعض حضرات حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں بھی تامل کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنا' اللہ عزوجل سے براہ راست مانگنے کے منافی ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات کا جن میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانے کا حکم ہے، صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا (معاذ اللہ) کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ تصور کتاب وسنت کی روح کو نہ سمجھنے کے باعث پیدا ہوا ہے، ہمیں اس خود ساختہ تصور کی اِصلاح کرنی چاہیے۔

اَنبیاء و رسل علیہم السلام میں سے کسی کو، یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرّب اور صالح بندے کو یا کسی بھی عملِ صالح کو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے اس کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کرنا نہ تو کسی قسم کا شرک ہے اور نہ ہی براہ راست اللہ سے مانگنے کے منافی ہے۔ کسی کو بطور وسیلہ پیش کرنے میں ہرگز ہرگز یہ عقیدہ کارفرما نہیں ہوتا کہ وہ مقبول و مقرب بندہ جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہے دعا قبول کرے گا یا وہ اللہ بزرگ و برتر کو (معاذ اللہ) اس اَمر پر مجبور کردے گا کہ فلاں کا کام ہونا چاہیئے یا فلاں بندے کی بخشش و مغفرت لازمًا کر دی جائے۔ (اس موضوع پر تفصیلی بحث اسی کتاب کے دوسرے باب میں ہو چکی ہے)

۱۲۔ توحید اور واسطۂ تبرک

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اَنبیاء و صالحین علیہم السلام سے منسوب چیزیں بڑی بابرکت اور فیض رساں ہوتی ہیں۔ نصوصِ شرعیہ کی بناء پر آثارِ صالحین سے حصولِ برکت کا

جواز قوی دلائل سے ثابت ہے۔ یہ سادہ سی بات ہے کہ کسی چیز کے اندر خیر و برکت کا ہونا ہرگز منافیٔ توحید نہیں ہوسکتا۔ اللہ رب العزت کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا تبرک و تیمن کا واسطہ اختیار کرنا نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل شرک اور خلافِ توحید نہیں۔ مثلاً:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان قمیص کا واسطہ قائم کیا۔ **حضرت زکریا** علیہ السلام نے محراب مریم علیہا السلام سے برکت اور تبرک کا واسطہ اختیار کیا جو شرک نہ ہوا۔ **ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم** علیہ السلام کے مبارک قدم تعمیر کعبہ کے دوران جس پتھر پر لگے وہ بھی باعث خیر و برکت اور تکریم و تعظیم ہوا۔ لوگ آج تک اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ **حضرت موسیٰ** علیہ السلام اور **حضرت ہارون** علیہ السلام کے تبرکات کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ''سورۃ البقرۃ (۲: ۲۴۸)'' میں باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ایک خاص تاریخی پس منظر میں فرمایا ہے۔

برکت اور **تبرک** قرآن و حدیث کے مستند دلائل سے ثابت شدہ امر شرعی ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض چیزوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت رکھی ہے۔ ان بابرکت اشیاء سے برکت و رحمت اور سعادت چاہنا اوران کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا تبرک کے مفہوم میں شامل ہے۔ مثلاً:

اللہ رب العزت نے خانہ کعبہ کو برکت والا گھر قرار دیا، مسجد اقصیٰ کے گرد و نواح کو انبیاء کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا۔ ائمہ تفسیر نے بابرکت ہونے کی ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات قرار دیا ہے جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔ **تبرک و تیمّن** کا واسطہ درحقیقت برکت اور فیض حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ جب ہم بارگاہ اُلوہیت سے حصولِ برکت کیلئے کسی چیز کا واسطہ قائم کر رہے ہوتے ہیں تو چونکہ یہ واسطہ اس متبرک چیز کی عبادت نہیں ہوتا اس لئے اس میں شرک کا کوئی احتمال نہیں۔ جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حجر اسود، رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تیمن و تبرک کا واسطہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب حجر اسود سے برکت کا

حصول شرک نہیں تو کسی پیغمبر یا ولی اللہ سے واسطہ تیمن یا واسطہ تبرک شرک کیسے ہو گا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنا لینا جائز ہو اور انبیاء و اولیاء کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔

کوئی بھی مؤمن جب کسی چیز سے برکت حاصل کرتا ہے تو صحیح عقیدہ کے مطابق وہ مؤثرِ حقیقی اس ذاتِ وحدہ لاشریک کو مانتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام سعادتیں اور برکتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اماکن و اشخاص سے بالذات تاثیر کا عقیدہ رکھے تو یہ جائز نہیں۔(باب پنجم میں ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں)

۱۳۔ توحید اور واسطۂ استعانت

دنیوی، دینی اور روحانی اعتبار سے ایک دوسرے کی مدد کرنا اِسلامی معاشرتی آداب و اخلاق کا حصہ ہے۔ اِسلام نے اہل ایمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد و اِعانت کریں۔اللہ ﷻ نے ایک دوسرے کی مدد و استعانت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○[1]

”اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے○“

کثرت کے ساتھ احادیث میں یہ بیان دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے ہاں بے شمار انعامات ہیں۔ اس مدد کرنے کے عمل ہی کو

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۲

اصطلاحًا استغاثہ اور استعانت کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاللهُ فِي عَوْنِ العَبْدِ مَا كَانَ العَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيْهِ.(۱)

''اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔''

اس طرح مدد واستعانت وہ طریقہ اور طرزِ عمل ہے جو نہ صرف جائز بلکہ اسلامی ضابطۂ حیات کا لازمی تقاضا ہے۔ استعانت اور استغاثہ کے اس عمل کو شرک قرار دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ متعدد آیات میں باری تعالیٰ نے براہِ راست استعانت کا حکم نہیں دیا بلکہ بواسطہ صبر وصلوٰۃ دیا ہے۔ اگر یہ عملِ توسط شرک ہوتا تو اللہ عزوجل ہرگز استعانت میں کسی واسطے کا ذکر نہ فرماتا۔

یہ امر واضح ہے کہ حقیقی استعانت و استغاثہ خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ بہر طور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ مستعانِ حقیقی، فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی انبیاء واولیاء سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ اَحادیثِ مبارکہ میں جا بجا مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ و اِستمداد کرتے تھے۔ اپنے اَحوالِ فقر، مرض، مصیبت، حاجت، قرض اور عجز وغیرہ کو بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی پریشانیوں کا مداوا اور مسائلِ حیات کا اِزالہ کرتے تھے۔ اِس عمل میں اُن کا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی السترۃ علی المسلم، ۴: ۳۲۶، رقم: ۱۹۳۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱

عقیدہ یہی تھا کہ سرورِ کائنات ﷺ ایک واسطہ اور سبب ہیں جبکہ حقیقی فاعل تو صرف اللہ جل جلالہ ہی کی ذات ہے۔

پس وہ اِستعانت و اِستغاثہ جو اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے منشا اور حکم کے خلاف ہو، ممنوع اور شرک ہے۔ لیکن اگر توسل و شفاعت کیلئے اللہ کے اذن اور اَمر کے تابع ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی اَمر مانع نہیں۔

(باب چہارم میں اس موضوع پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے)

۱۴۔ توحید اور واسطۂ عطا

اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ جسے چاہے اور جو چاہے عطا کردے کہ وہ ایسا کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ اس کی ہر شان بالذّات ہے۔ اس کی عطا مخلوق کی عطا جیسی نہیں۔ مخلوق کی ہر عطا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ بے شمار خزانوں کے مالک ہیں اور یہ تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں جسے آپ ﷺ مخلوق میں تقسیم فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي. (۱)

’’میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں اور عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔‘‘

اللہ ﷻ نے حضور نبی اکرم ﷺ پر جو عطائیں کی ان میں جنت بھی شامل ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ عطائے رسول ﷺ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ به خیراً یفقهه فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۷: ۱۰، رقم: ۴۴

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۳۹۰، رقم: ۹۱۵

كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: سَلْ! فَقُلْتُ: أَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذٰلِکَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَاکَ.(۱)

’’میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کی طہارت اور وضو کے لئے پانی لاتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مزید کچھ اور مانگ، میں نے عرض کیا مجھے یہی کافی ہے۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ سے اِستنباط کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ مَکَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ کُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِهِ تَعَالٰی.(۲)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے جو چاہا آپ ﷺ کو عطا کرنے (کے منصب) پر متمکن فرما دیا۔‘‘

نیز فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود و الحث علیه، ۱: ۳۵۳، رقم: ۴۸۹

۲۔ أبوداود، السنن، أبواب قیام اللیل، باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل، ۲: ۳۵، رقم: ۱۳۲۰

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الافتتاح، باب فضل السجود، ۲: ۲۲۷، رقم: ۱۱۳۸

(۲) عبد الحق محدث دهلوی، لمعات التنقیح، ۳: ۱۷۲

و از اطلاق سوال که فرمود ’’سَلْ‘‘ بخواه و تخصیص نه کرد بمطلوبے خاص، معلوم مے شود که کار همه بدست همت و کرامت اوست ﷺ۔ هر چه خواهد هر کرا خواهد باذن پرورد گار خود بدهد۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے جو مطلقاً ’’سَلْ‘‘ فرمایا کہ ’’مانگو‘‘ اور اسے کسی خاص مطلوب کے ساتھ مقید نہ کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اُمور حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ ﷺ جو کچھ چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اِذن سے عطا فرماتے ہیں۔‘‘

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی منفرد شان جود وسخا ہے کہ آپ اپنے غلاموں کو فیاضی سے عطا کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی اس شان کو نسبت بھی اپنی طرف کرکے ایک تعلق اور واسطہ قائم کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ○(۲)

’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ) (مزید) عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)○‘‘

(۱) عبد الحق محدث دهلوی، أشعة اللمعات، ۱: ۳۹۶

(۲) التوبة، ۹: ۵۹

حقیقتاً عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے اذن سے عطا کا واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ مالِ غنیمت کو تقسیم تو حضور نبی اکرم ﷺ نے کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی عطا قرار دیا، فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. (۱)

اور وہ (اسلام اور رسول ﷺ کے عمل میں سے) اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔''

مالِ غنیمت رسول ﷺ نے عطا کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس عطا کو اپنا فضل قرار دیا۔ اس طرح مالِ غنیمت جب اکٹھا ہو کر رسول ﷺ کی ملکیت میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت بھی اپنی طرف کردی اور اللہ اور رسول ﷺ کی ملکیت کو ایک ہی قرار دیا فرمایا:

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (۲)

''فرما دیجئے! اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول (ﷺ) ہیں۔''

جب ملکیت ایک ہے تو عطا بھی ایک ہے۔ وحدتِ ملکیت و عطا کے حوالے سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ذکر ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس نسبت کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کی تعظیم و تکریم کی انتہاء کردی۔ اپنے رسول ﷺ کی عطا کو اپنی عطا کا واسطہ قرار دیا کہ اُمت پر رسول ﷺ کی طرف سے جو عطائیں ہوتی ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی عطائیں اور فضل ہے۔ اللہ عزوجل اور نبیٔ مکرّم ﷺ کے درمیان عطا اور ملکیت کا اشتراک بھی ایک تعلق اور واسطہ ہے جس کے ذریعہ اللہ عزوجل نے

(۱) التوبة، ۹: ۷۴

(۲) الانفال، ۸: ۱

اپنے محبوب رسول ﷺ کی شان و عظمت کو مزید اجاگر فرمایا ہے۔

۱۵۔ توحید اور واسطۂ شفاعت

شفاعت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یہ اعزاز اور مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے خطا کار و گنہگار بندوں کی شفاعت کریں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بے پایاں فضل و کرم سے اپنے گنہگار بندوں کے حق میں اپنے مقربین و صالحین بندوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ جس کے نتیجے میں گنہگار بندوں کی بخشش و مغفرت فرما کر ان کو اپنے انعام یافتہ بندوں کے طفیل اپنی رضا اور جنت عطا فرمائے گا۔

صحیح عقیدہ کے مطابق اذنِ الٰہی کے بغیر شفاعت کا کوئی تصور نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی اِجازت کے بغیر شفاعت کسی کو فائدہ دے گی۔ قرآن و حدیث کی نصوصِ قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ روزِ قیامت جملہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین اللہ تعالیٰ کے اِذن سے شفاعت فرمائیں گے جبکہ شفاعتِ کبریٰ کے منصبِ جلیلہ پر حضور نبی اکرم ﷺ ہی فائز ہوں گے جسے قرآنِ حکیم نے مقامِ محمود سے تعبیر کیا ہے یہ منصب آپ ﷺ کے مہتم بالشان اعزازات و کرامات اور بلند مرتبہ فضائل و خصائص اور نمایاں امتیازات میں سے ایک ہے۔

شفاعت پر آیاتِ قرآنی کے سیاق و سباق پر غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مطلق شفاعت کی نفی کہیں بھی نہیں کی گئی۔ شفاعت سے صرف ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، جو کافر، مشرک اور ظالم ہیں۔ لہٰذا شفاعت کی نفی کا مسلمانوں پر اطلاق کرنا ہی غلط، من گھڑت اور بے بنیاد بات ہے۔ بدقسمتی سے دین کا پرچار کرنے والے بعض لوگوں کے فہم دین کا یہ عالم ہے کہ ایک سادہ سی بات کو بھی الجھا دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان آیات تک محدود کر لیتے ہیں جن میں شفاعت کی نفی ہے۔ وہ یہ جاننے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ یہ نفیٔ شفاعت دراصل اصنام، طواغیت اور معبودانِ باطلہ کے لئے

ہے۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ان درجنوں آیات کو بھول جاتے ہیں جو شفاعت کی تصدیق کرتی ہیں اور جن میں شفاعت کا جواز و اثبات بھی ہے۔ لہٰذا مطلقاً شفاعت کا انکار کفر ہے

۱۶۔ توحید اور واسطۂ ہدایت

توحید و ایمان کے باب میں واسطۂ ہدایت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی وجہ سے کسی شخص کو ایمان و ایقان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ انسان ہر حال میں ہدایتِ الٰہی کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○(۱)

''اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے○''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط(۲)

''فرما دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے۔''

حقیقتاً ہدایت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام ہدایت کا واسطہ ہیں، مالک نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا ہدایتِ ربانی کا باعث ہونا منافیٔ توحید نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس اور آپ ﷺ کے منصبِ ہدایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○(۳)

''اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں○''

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۳

(۲) الانعام، ۶: ۷۱

(۳) الشوریٰ، ۴۲: ۵۲

اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پر بیان ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی ہیں۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ فرمانِ الٰہی ہے کہ آپ ہادیٔ برحق ہیں اور راہِ حق کی ہدایت کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ سمیت جملہ انبیاء علیہم السلام عطائے الٰہی اور اذنِ الٰہی سے لوگوں کو راہِ حق کی ہدایت دیتے ہیں اور یہی درست عقیدہ ہے۔ جب اللہ ﷻ نے خود فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ہدایت پہنچانے والے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہادی کا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○[1]

’’وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے○‘‘

اللہ ﷻ کی ذات شانِ کریمی کی مالک ہے وہ ایمان و تقویٰ کو محبوب رکھتا ہے اور کفر و شرک اور نافرمانی کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت کی شان ارحم الراحمین بھی ہے اور ’’**اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ**‘‘ بھی ہے۔ اور ’’**فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ**‘‘ بھی اُسی کی شان ہے۔ اِن سب شانوں کے باوجود نمرود و شداد، فرعون و ہامان اور ابوجہل و ابولہب جیسے نافرمان بھی گزرے مگر اللہ ﷻ نے جبر و اکراہ کے ساتھ اِن کو اپنا مطیع فرمانبردار نہیں بنایا بلکہ صرف رشد و ہدایت واضح کرنے کے لئے انبیائے و رسل علیہم السلام کو منصبِ ابلاغ پر فائز فرما کر اِنسانوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان و کفر اور خیر و شر کے انتخاب کا اختیار دیا۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر ارشاد فرمایا:

---

(۱) التوبة، ۹: ۳۳

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. (۱)

''پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔''

حالانکہ جبر و اکراہ کی صورت میں وہ تمام باغی و سرکش اور نافرمان لوگوں کو اپنا مطیع بنا سکتا تھا۔ اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○ (۲)

''اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر نفس کو اس کی ہدایت (از خود ہی) عطا کر دیتے لیکن میری طرف سے (یہ) فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور سب (مُنکِر) جنّات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دُوں گا○''

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود انسانوں کے دلوں میں اپنی ہدایت براہِ راست القا نہیں فرمائی بلکہ اس ہدایت کو ایمان کا واسطہ بنایا جسے لوگوں تک پہنچانے کے لیے اپنے برگزیدہ رسولوں کو مامور فرمایا۔

اسی طرح حضور سید عالم ﷺ سے بھی شانِ کریمی و رحیمی سے متصف ہیں۔ آپ ﷺ جمیع انسانوں کے مومن ہونے کو پسند کرتے ہیں اور کفر و شرک کو حد درجہ ناپسند فرماتے ہیں۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (۳)

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۹

(۲) السجدۃ، ۳۲: ۱۳

(۳) التوبہ، ۹: ۱۲۸

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں o‘‘

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًاo(۱)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جانِ (عزیز بھی) گھلا دیں گے اگر وہ اس کلامِ (ربّانی) پر ایمان نہ لائے o‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ہدایت و رہنمائی اور دعوت و تبلیغ پر اکتفا فرمایا اور اپنی نورانی و باطنی نبوی طاقت کے ذریعے ہر ایک کو مشرف بہ اسلام نہ فرمایا کیونکہ یہ انداز حکمتِ ربانی کے خلاف تھا۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب و خلیفہ ہیں اور اس کے کارکنانِ قضاء و قدر کے سردار ہیں۔ اس لئے اس منصبِ عظیم اور حقِ خلافت و نیابت کا تقاضا بھی یہی تھا جس پر آپ ﷺ کاربند رہے۔

۱۷۔ توحید واسطۂ بیعت

بیعت کا معنی و مفہوم

احکامِ الٰہی کی بجا آوری، اَوامر و نواہی کی پابندی اور دین پر اِستقامت کے لئے عمل بیعت ایک مؤثر واسطہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور

(۱) الکہف، ۱۸: ۶

اس پر استقامت اور پختگی کے لئے آپ ﷺ کے دستِ اقدس میں اپنے ہاتھ دے کر عزمِ مصمم کر لیا کہ آئندہ اوامر و نواہی کی پابندی کریں گے۔ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لائیں گے اور اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اِیفائے عہد کا یہ عزمِ مصمم بیعت کہلاتا ہے۔ بعدازاں جو راہِ سلوک میں بیعت کا طریقہ مروج ہو گیا، اسی بنیاد پر قائم ہوا۔

صحابہ کرام ﷺ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بیعت قرار دیا اور دستِ مصطفےٰ کو دستِ خدا قرار دیا۔ اللہ ﷻ نے اس واسطہ سے انہیں اپنا مقرب بنایا، اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَکَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ج فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا يَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (۱)

”(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہو گا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا○“

اللہ ﷻ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا۔ اس سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت ایک ہی ہے۔ اسی طرح دونوں کی رضا ایک ہی ہے گویا بیعت کی نسبت اور تعلق کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان قرب و رضا کا ایک واسطہ بنایا۔

(۱) الفتح، ۴۸: ۱۰

اہلِ ایمان نے رضائے رسول ﷺ کی خاطر بیعت کی تو اﷲتعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کا مژدہ سنایا۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْ بِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○(۱)

’’بیشک اﷲ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، سو جو (جذبۂ صدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اﷲ نے معلوم کرلیا تو اﷲ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتح (خیبر) کا انعام عطا کیا○‘‘

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرنا بھی قربِ خداوندی کے لئے واسطہ تھا۔ اسی طرح پیر و مرشد کے ہاتھ پر خدا اور رسول ﷺ کے عطا کردہ اوامر و نواہی پر پابندی کے لئے پختہ عہد کرنا بیعت ہے۔ بیعت قرآن و احادیث سے ثابت شدہ ایک واسطہ اور وسیلہ ہے، جس کا مقصود و مطلوب قربِ خداوندی ہے۔ اتباعِ شریعت میں ثابت قدمی کے لئے کسی عالم ربانی اور متبع شرع صاحبِ تقویٰ وطہارت، نیک سیرت برگزیدہ ہستی کی بیعت کرنا بھی منشائے شریعت ہے، منافئ توحید نہیں۔

۱۸۔ توحید اور واسطۂ افعال

حضور نبی اکرم ﷺ مظہرِ فعلِ الٰہی ہیں اس لئے فعلِ رسول ﷺ فعلِ الٰہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو واشگاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فعل اﷲ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) الفتح، ۴۸: ۱۸

۱۔ وَمَارَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا. (۱)

’’اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے اور یہ (اس لئے) کہ وہ اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے اچھے انعامات سے نوازے۔‘‘

۲۔ رسول ﷺ کا بلاوا اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (۲)

’’اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔‘‘

۳۔ کلامِ رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام قرار دیا ارشاد فرمایا:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (۳)

’’اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے ۝ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے ۝‘‘

ان آیات میں یہی بنیادی نکتہ واضح ہوا کہ اللہ ﷻ نے اپنے برگزیدہ محبوب نبی ﷺ کے افعال کو اپنا فعل قرار دیا اور اس نسبت اور واسطۂ اَفعال کے ذریعہ اپنے

(۱) الانفال، ۸: ۱۷

(۲) انفال، ۸: ۲۴

(۱) النجم، ۵۳: ۳، ۴

نبی ﷺ کو مقامِ قرب عطا فرمایا۔ وہ برگزیدہ رسول ﷺ جس کا ہر ہر عمل مظہرِ فعل الٰہی ہو وہ کسی اور فردِ بشر کے مثل نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اَوامر و نواہی کے نفاذ میں باری تعالیٰ کے قائم مقام اور نائب ہے۔

۱۹۔ توحید اور واسطۂ ولایت

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو اپنی ولایت سے نوازتا ہے۔ خدا اور بندوں کے درمیان اس واسطہ سے جو ربط و تعلق قائم ہوتا ہے اس کو ولایتِ رحمانی کہتے ہیں۔ ولایتِ رحمانی کا سب سے بڑا مظہر انبیاء علیھم السلام ہوتے ہیں۔ واسطۂ ولایت کا دوسرا نام ایمان اور تقویٰ ہے۔ جتنا ایمان اور تقویٰ پختہ ہوتا جائے گا اسی طرح واسطہ ولایت میں بھی پختگی آتی جائے گی۔ حقیقی ولایت اور دوستی اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے مگر اس ذاتِ کریمانہ نے اس ربط اور تعلق کو اپنے بندوں کے لئے بھی عام کیا اور سب سے پہلے اپنے رسول ﷺ کو یہ واسطہ عطا کیا پھر درجہ بدرجہ دیگر اہلِ ایمان کو بھی ولایت عطا ہوئی۔ ہر مومن مسلمان کو حسبِ تقویٰ ولایت کا درجہ حاصل ہوتا ہے جو کہ ولایتِ عامہ ہوتی ہے۔ ولایتِ خاصہ انبیاء کا حصہ ہے کیونکہ ان کی دوستی بھی اللہ تعالیٰ سے دوستی ہوتی ہے۔ کامیابی اور غلبہ کے لئے واسطۂ ولایت کو شرط قرار دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○[1]

بیشک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں ○ اور جو شخص اللہ اور اس کے

(۱) المائدہ، ۵: ۵۵۔ ۵۶

رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا (وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں○''

مذکورہ اِرشاد ربانی میں تین قسم کی ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ ذاتِ باری تعالیٰ

۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ

۳۔ صادق اور راست باز اہلِ ایمان

ولایت کا استحکام اہلِ ایمان میں محبت و اخوت اور یگانگت پیدا کرنے کا واسطہ ہے جس سے ان تینوں ہستیوں کا آپس میں ربط اور تعلق مضبوط ہوتا ہے اور غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ سورۂ حج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ○ (۱)

''اور اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا مددگار (و کارساز) ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز (ہے) اور کتنا اچھا مددگار ہے○''

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ○ (۲)

''سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد (سارے) فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیں○''

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ مؤمنین و صالحین اور متقی لوگوں

(۱) الحج، ۲۲: ۷۸

(۲) التحریم، ۶۶: ۴

کی ولایت کا وسیلہ اور واسطہ منافیٔ توحید نہیں۔ کیونکہ ولایت بھی خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کے لئے واسطہ ہے جس خوش نصیب کو یہ مل جائے وہ ایمان اور عملِ صالح کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ اور بلند درجہ پاتا ہے اور رب تعالیٰ اسے دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔

۲۰۔ توحید اور واسطۂ اَذیت

انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر اہلِ عزیمت کو اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے شدائد و مصائب اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار و مشرکین اور معاندین نے اپنی تئیں اذیتیں پہنچائیں مگر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی دلجوئی فرمائی کہ آپ ﷺ کو اذیت دینا دراصل اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا○(۱)

’’بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اِیذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے (اس نے) ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے○‘‘

اللہ عزوجل نے اذیتِ رسول ﷺ کو اذیتِ خدا قرار دے کر اپنے محبوب ﷺ سے قرب و تعلق کی نوعیت واضح فرمادی کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ رسول کو تکلیف دینا اور ہے اور خدا کو تکلیف دینا اور ہے۔ اللہ عزوجل نے رسول ﷺ کی اَذیت کو اپنی اَذیت قرار دیا یوں کفار و مشرکین کا رسول ﷺ کو اذیت پہنچانا بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے مقام و

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۷

مرتبہ اور بلندیٔ درجات کا واسطہ بن گیا۔ جو لوگ رسول ﷺ کو اذیت دینے سے باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی ارشاد فرمایا:

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ط وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ (۱)

''اور ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (مکرم ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان (کے کچے) ہیں۔ فرما دیجئے: تمہارے لیے بھلائی کے کان ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے○''

اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدّسہ ہماری طرح جسمانی عوارض و آلائش سے پاک ہے۔ اسے نہ تو کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ مخلوق کی ایذا رسانی کی محسوسات کا گمان اس سے ممکن ہے۔ پس جب اس نے رسول ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا قرار دیا تو دراصل اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک اور واسطہ بیان کیا جس کے ذریعہ اپنی بارگاہ میں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ اور عظمتِ شان کو اجاگر کیا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اذیت کس طرح واسطہ بن گیا۔ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بیان کر آتے ہیں کہ واسطہ درحقیقت دو ذاتوں کے درمیان رابطہ اور تعلق کا نام ہے جو دو بندوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان بھی۔ اس تعریف کی رو سے دیکھا جائے تو اللہ عزوجل نے رسول ﷺ کی اذیت کو اپنی اذیت قرار دے کر آپ ﷺ

(۱) التوبة، ۹: ۶۱

کے ساتھ اپنے قرب اور تعلق کا اظہار فرمایا۔ یوں یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ربط و تعلق کا واسطہ بن گیا۔

۲۱۔ توحید اور واسطۂ مخالفت

حضور نبی اکرم ﷺ کو کفار و مشرکین اور دشمنانِ دین کی طرف سے قدم قدم پر مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے نہ صرف آپ ﷺ کی دلجوئی فرمائی بلکہ آپ ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت اور آپ ﷺ کی نافرمانی کو بھی اپنی نافرمانی قرار دیا۔ جو لوگ رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت بھی ایک ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (۱)

’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت انگیز عذاب ہے‘‘

پھر فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ج وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (۲)

’’یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو

(۱) النساء، ۴: ۱۴

(۲) الأنفال، ۸: ۱۳

شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ج وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○(۱)

’’یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے شدید عداوت کی (ان کا سرغنہ کعب بن اشرف نامور گستاخِ رسول تھا)، اور جو شخص اللہ (اور رسول ﷺ کی) مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○‘‘

مندرجہ بالا دونوں آیات پر غور کریں۔ کفار و مشرکینِ مکہ نے مخالفت تو رسول اللہ ﷺ کی کی تھی مگر اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخالفت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عداوت و مخالفت کرے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر رسول ﷺ کی عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ اسے سخت عذاب دینے والا ہے یہ رسول معظم ﷺ کی تعظیم و تکریم کی انتہا ہے کہ آپ ﷺ کی عداوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عداوت قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ط وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○(۲)

(۱) الحشر، ۵۹: ۴

(۲) المجادلة، ۵۸: ۵

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل کئے جائیں گے جس طرح اُن سے پہلے لوگ ذلیل کئے جا چکے ہیں اور بیشک ہم نے واضح آیتیں نازل فرما دی ہیں، اور کافروں کے لئے ذِلت انگیز عذاب ہے۔‘‘

پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّيْنَ○(۱)

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت، نافرمانی کو اپنی نافرمانی، اور تکذیب کو اپنی تکذیب قرار دے کر اپنے محبوب نبی ﷺ کی دلجوئی کی اور رسول ﷺ کے ساتھ واسطہ اور تعلق کو بیان فرمایا: اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ مخالفتِ رسول ﷺ سے کفار و مشرکین ذلیل ترین ہو کر ذلت آمیز عذاب کے مستحق قرار پائے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ مخالفت مضبوط تعلق باللہ کا واسطہ بنی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دشمنانِ دین کی طرف سے مخالفتِ رسول ﷺ آپ ﷺ کے بلندیٔ درجات کا واسطہ ہے۔

۲۲۔ توحید اور واسطۂ نصرت

حقیقی نصیر اور مددگار اللہ تعالیٰ ہے مگر اس نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اہلِ ایمان کی طرف بھی مدد و نصرت کی نسبت کی۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ دین کی مدد و نصرت بھی قربِ خداوندی کا ایک واسطہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نصرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت قرار دیا فرمایا:

(۱) المجادلة، ۵۸: ۲۰

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَ اَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا وَّ يَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ○(۱)

”(مذکورہ بالا مالِ فَے) نادار مہاجرین کے لئے (بھی) ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال (اور جائیدادوں) سے باہر نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضاء و خوشنودی چاہتے ہیں اور (اپنے مال و وطن کی قربانی سے) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہی سچے مؤمن ہیں ○“

اصل میں تو لوگوں نے مال و وطن قربان کرکے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی مدد کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد قرار دیا۔ دین کی مدد و نصرت اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی کا وسیلہ اور واسطہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَ يُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ○(۲)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط رکھے گا ○۔“

۳۔ اسی طرح اللہ کے محبوب مکرم ﷺ کی نصرت کامیابی کا واسطہ قرار پایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَ نَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○(۳)

(۱) الحشر، ۵۹: ۸

(۲) الاعراف، ۷: ۱۵۷

(۳) الاعراف، ۷: ۱۵۷

’’پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo‘‘

انبیاء علیہم السلام سے جب عہد لیا گیا تو اس وقت حضور ﷺ کی نصرت کا وعدہ بھی شامل تھا، فرمایا:

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط(۱)

’’پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے۔‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے دین کی مدد کو اپنی مدد قرار دیا۔ پس آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی ترویج و اشاعت کے لئے تگ و دو کرنا بھی رضائے الٰہی اور فلاح و کامیابی کا واسطہ و وسیلہ ہے۔

۲۳۔ توحید اور واسطۂ تعبّد

گزشتہ صفحات میں ہم نے ان ۲۲ شرعی وسائط کو بیان کیا جو از روئے قرآن و حدیث ثابت اور جائز ہیں جیسا کہ ہم ابتداء میں بیان کر آئے ہیں کہ صرف عبادت کا واسطہ شرکیہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جملہ مخلوقات میں سے کوئی بھی ہستی عبادت میں اس کی شریک نہیں۔ عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوسکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت

(۱) آل عمران، ۳: ۸۱

گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ ترین مقام پر ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے، یہ تعلق ہی اس امر کا متقاضی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

کسی عقیدہ اور مکتبِ فکر کے مسلمہ مفسرین و محدثین کرام، فقہاء و اصولیین، اجل ائمہ لغت و ادب اور ائمہ عقائد کے درمیان عبادت کی تعریف کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ مفسرینِ کرام نے سورہ فاتحہ کی آیت ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کے ذیل میں عبادت کی تعریف بیان کرتے ہوئے 'غایت الخضوع والتذلل' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تمام اجل مفسرین کے مطابق خضوع و تذلل کی بہت سی صورتیں اور درجات ہیں لیکن عبادت عاجزی و انکساری کا بلند ترین درجہ ہے جو صرف اللہ رب العزت کا ہی حق ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس کا معنی عبادت میں توحید ہے۔ اس کا اطلاق ہم تعظیم پر نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں توحید فی العبادت کا ذکر ہے وہیں اس امر کا ذکر بھی ہے۔

عبادت بلا شرکتِ غیرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی سے دعا کرنی چاہیے اور اسی کو مستعانِ حقیقی سمجھنا چاہیے۔ اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مصائب و آلام میں اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کسی ماسوا اللہ کو حقیقی مددگار سمجھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی از خود کسی کو نہ کسی گناہ سے روک سکتا ہے نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔ اسلام نے توحید کا یہ عقیدہ بالتصریح بیان کر دیا ہے کہ جو مخلوق ہو وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس سے اسلام نے تمام جھوٹے خداؤں اور معبودانِ باطلہ کی نفی کر دی اور حتمی طور پر اس بات کا قطعی اعلان کر دیا کہ چاہے کوئی ہستی خواہ بعد از خدا بزرگی کے مقام پر فائز پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ہی کی کیوں نہ ہوں خدا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ سمیت کسی نبی یا ولی کو واسطہ عبادت نہیں بنایا جا سکتا۔

توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں ما سوائے اللہ رب العزت کے کسی کی

عبادت جائز نہیں۔اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شرک عبادت کا مدِمقابل ہے لیکن ادب و احترام اور تعظیم پر مبنی کسی عمل کا شرک سے کوئی مقابلہ اور تضاد نہیں بلکہ تعظیم کا متضاد عمل بے ادبی، گستاخی اور توہین ہے۔یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی ہستی کو واسطہ بنانے یا کسی کے ادب و احترام اور تعظیم کا وہ درجہ جو عبادت کی حد تک پہنچا ہو، شرک نہیں۔

www.MinhajBooks.com